اُصولِ تحقیق

جدید ریسرچ کے اصول وضوابط

ڈاکٹر ظفر الاسلام خان

پورب اکادمی

اُصولِ تحقیق

جدید رِسَرچ کے اصول وضوابط

ڈاکٹر ظفر الاسلام خان

پورب اکادمی، اسلام آباد

انتساب

والدِ محترم

مولانا

وحید الدّین خاں

کے نام

جن سے میں نے زندگی کے ابتدائی سالوں ہی
میں صحیح الفاظ اور آسان زبان استعمال کرنے
کی حکمت سیکھی۔

فہرستِ مضامین

باب چہارم
علمی تحقیق کے فنی پہلو

دیباچہ

موجودہ صدی کے آغاز سے جس طرح دیگر سماجی اور عمرانی علوم وفنون میں تحقیق کا رجحان بڑھا اسی طرح علومِ اسلامیہ کے مختلف مجالات میں بھی بحث وتحقیق کا سلسلہ بڑی تیزی کے ساتھ پھیل گیا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اس وقت پاکستان کے تقریباً تمام جامعات میں علومِ اسلامیہ کے شعبے قائم ہیں اور ہر شعبہ میں ایم فل اور پی ایچ ڈی کی سطح کے پروگرام چل رہے ہیں۔ ہر سال سینکڑوں طلبہ ایم فل کی ڈگریاں حاصل کر رہے ہیں اور بیسیوں سکالرز کو پی ایچ ڈی کی ڈگری عطا کی جاتی ہے۔

ایم فل اور پی ایچ ڈی کے سکالرز جب اپنے مقالات مرتب کرتے ہیں تو انھیں رہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے اور ایسی تالیفات سے استفادہ کی ضرورت ہوتی ہے جن میں تحقیق کے اصول و قواعد کا تذکرہ کیا گیا ہو۔ علومِ اسلامیہ سے تعلق رکھنے والے سکالرز عام طور سے اصولِ تحقیق کے موضوع پر اُن تالیفات سے رہنمائی لیتے ہیں جو اردو ادب یا ایجوکیشن کے سکالرز کے لئے مرتب کی گئی ہوتی ہیں۔ علومِ اسلامیہ کے سکالرز ایسا کیوں کرتے ہیں؟ اس سوال کے بہت سے جوابات ہو سکتے ہیں، لیکن جو سب زیادہ نمایاں ہے وہ یہ ہے کہ اصولِ تحقیق کے موضوع پر اب تک اردو میں علومِ اسلامیہ کے مختلف مجالات کو پیشِ نظر رکھ کر کوئی مناسب تالیف منظرِ عام پر نہیں آسکی ہے۔ عربی میں تو اس موضوع پر اچھا خاصا مواد دستیاب ہے لیکن ہمارے طلبہ کی اکثریت عربی

مصادر سے استفادہ کرنے میں دقت محسوس کرتی ہے۔

ڈاکٹر ظفر الاسلام خان صاحب کی تالیف دیکھ کر مجھے ذاتی طور پر ازحد خوشی محسوس ہوئی کہ آپ نے علومِ اسلامیہ کے سکالرز کی رہنمائی کے لئے بہت مفید معلومات جمع کی ہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ ساری معلومات ڈاکٹر صاحب کے تجربات کا خلاصہ اور نچوڑ ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر علی اصغر چشتی
فیکلٹی آف عریبک اینڈ اسلامک سٹڈیز
علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

پیش لفظ

از
پروفیسر شفیق احمد خان ندوی
شعبۂ عربی جامعہ ملّیہ اسلامیہ نئی دہلی

دنیا کے دیگر ترقی یافتہ ملکوں کی طرح برصغیر کی دانش گاہوں میں بھی علمی و ادبی تحقیق کا سلسلہ جاری ہے۔ عربی، فارسی، اردو اور اسلامک اسٹڈیز کے میدانوں میں بھی تحقیقی سرگرمیاں زور پر ہیں۔ یونیورسٹی گرانٹس کمیشن (حکومت ہند) نے جب سے لیکچرر کے منصب پر تقرر کے لیے پی ایچ ڈی کی ڈگری مستحسن قرار دی، اس وقت سے تو اور بھی یہاں ریسرچ اسکالرز کا ہجوم ہے اور اب تحقیق (ریسرچ) کا معیار بھی پست ہوتا جا رہا ہے۔ اس صورتِ حال نے اصول تحقیق کے موضوع پر لکھنے اور اس فن کو منظم کرنے کی ضرورت میں اضافہ بھی کر دیا ہے۔

ریسرچ اسکالرز تحقیق کے فن کو جتنا آسان اور خود رو سمجھتے ہیں، اتنا وہ درحقیقت ہے نہیں۔ یہ کام بڑا مشکل، صبر آزما اور دقت طلب ہے۔ محقق میں چیونٹی کی طرح اپنے ڈھیر پر ایک ایک دانہ ڈالنے اور پھر ڈالتے ہی رہنے کی لگن ہونی ضروری ہے۔ سرسید احمد خاںؒ کے بارے میں مولانا حالیؒ نے حیات جاوید میں لکھا ہے کہ سرسید علیہ الرحمہ اپنی کتاب آثار الصنادید کی تالیف و تکمیل کی دھن میں دو بلّیوں اور ایک چھینکے کی مدد سے قطب مینار

پر گھنٹوں لٹکے رہ کر کتبوں کا چربہ اتارتے اور پھر نیچے اتر کر باقاعدہ قلم بند کرتے تھے اور لوگ سرسیدؒ کی حالت زار اور لگن دیکھ کر دنگ رہ جایا کرتے ۔ میرے خیال میں راہ رو تحقیق کے اندر کچھ اسی قسم کی لگن ہونی چاہیے، تب جا کے اس کا کام معیاری ہو سکے گا۔

فن تحقیق نامعلوم حقائق کی تلاش تو ہے ہی، معلوم حقائق کی تعبیر نو اور ان کی توثیق وتصحیح بھی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ وہ نئے حالات میں نئی نئی معنویتوں اور رہنمائیوں کا ذریعہ بھی ہے۔ محقق، اگر صحیح معنوں میں محقق ہے، تو وہ یقیناً جویائے حقیقت ہوگا، ایسا جویائے حقیقت جس کا علم وادراک، تجربہ ومشاہدہ، وسعت مطالعہ، صبر وتحمل اور ذوق جستجو اسے دم لینے نہ دے گا اور وہ تلاش حقائق ہی میں سکون وسرور محسوس کرے گا۔ غلام ربانی تاباںؔ کے بقول:

جستجو ہو تو سفر ختم کہاں ہوتا ہے
یوں تو ہر موڑ پہ منزل کا گماں ہوتا ہے

تحقیق بحیثیت فن کچھ دن پہلے تک یقیناً غیر منظم تھا۔ اب تو باقاعدہ فن ہے منظم اور سائنٹیفک فن، جس کے اصول وضوابط مشرق میں بھی مرتب ہوتے جا رہے ہیں عربی زبان میں تو اس فن پر کتابوں کی فراوانی ہے۔ اردو میں بھی اس موضوع پر کتابوں کی کمی نہیں، جن میں عبدالرزاق قریشی کی مبادیات تحقیق، شبیہ الحسن کی 'رہبر تحقیق'، ش اختر کی 'تحقیق کے طریقۂ کار'، تنویر احمد علوی کی 'اصول تحقیق وترتیب متن'، عبدالستار دلوی کی 'ادبی اور لسانیاتی تحقیق: اصول اور طریق کار'، احسان اللہ خاں کی 'تعلیمی تحقیق' اور رشید حسن خاں کی 'ادبی تحقیق: مسائل اور تجزیہ'، جمیل احمد رضوی کی 'لائبریری سائنس اور اصول تحقیق' سلطانہ بخش کی 'اردو میں اصول تحقیق' اور نورالاسلام صدیقی کی 'ریسرچ کیسے کریں؟' قابل ذکر ہیں۔ ضرورت اس کام کو آگے بڑھانے کی تھی۔ ڈاکٹر ظفر الاسلام خاں صاحب کی یہ کتاب اسی سلسلے کی ایک اہم اور مضبوط کڑی ہے۔ انھوں نے اس فن کو نئی نئی جہتوں سے مالا مال کیا ہے۔

ڈاکٹر ظفر الاسلام خاں جہاں دیدہ صحافی، تجربہ کار مترجم، پختہ کار مؤلف اور نامور

فاضل اور محقق ہیں۔ وہ مشرق و مغرب کے علمی و ادبی سرچشموں سے براہ راست فیض یاب ہوئے ہیں۔ انھوں نے اپنے ذاتی تجربات کی روشنی میں ریسرچ ورک کے اصول و مبادی کو قلم بند کر کے اس فن کی بے راہ روی کو سائنسی طریق کار عطا کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ ڈاکٹر صاحب کو عربی اور انگریزی دونوں زبانوں پر یکساں عبور اور غیر معمولی قدرت حاصل ہے۔ اردو تو ان کی مادری زبان ہے ہی ان کا جذبۂ عمل، قوت کارکردگی، وسعت مطالعہ، ملّت اسلامیہ کے مسائل سے گہری وابستگی اور اس کی بیداری کی فکر اپنی مثال آپ ہے۔ ان کا اسلوب نگارش ان کی شخصیت کا آئینہ ہے، قدیم و جدید کا حسین امتزاج، سادگی و پرکاری، وضاحت و شگفتگی اور لفظوں کے استعمال میں اسراف اور لفاظی سے اجتناب جس کی نمایاں خصوصیت ہے، ان کے خیال میں مشرق، علم و ادراک، معرفت اور قوت استنباط میں اپنی بلندی کے باوجود علمی و ادبی تحقیق و تدقیق اور ریسرچ ورک کے سائنسی طریق کار میں مغرب سے بہت پیچھے ہے۔ اس میدان میں ہمیں مغرب سے استفادہ ضروری ہے۔ بنا بریں اس کتاب کی تالیف میں ان کا یہ جذبہ بھی کار فرما نظر آتا ہے۔

یہ کتاب "اصول تحقیق" جو آپ کے ہاتھوں میں ہے فن تحقیق کی ایک عمدہ کتاب اور صحیح معنوں میں رہنمائے راہئ تحقیق ہے، جس میں علمی و ادبی تحقیق، اس کے اغراض و مقاصد اور مبادی پر روشنی کے ساتھ ساتھ مآخذ کے سلسلے میں خاطر خواہ رہبری، بنیادی اور ثانوی مصادر و مراجع کی نشان دہی، ریسرچ کے فنی پہلوؤں پر گفتگو، تحقیقی مضامین کے لوازم اور علمی مضامین کی تیاری و تحریر کے گُر بتائے گئے ہیں۔ آخر میں مغربی مراجع میں مستعمل علامات و رموز اور لاطینی حروف میں عربی، فارسی، اردو کے حروف کی ادائیگی کے طریقے بھی ضمیمے کے طور پر شامل ہیں۔

کتاب کے دو اہم مباحث جو تحقیقی مقالات کی تنظیم و ترتیب اور علمی مضامین کی تیاری و تحریر کی کیفیت سے متعلق ہیں، مختصر ہونے کے باوجود انتہائی مفید، پر مغز اور حشو و زوائد سے پاک ہیں۔ سچ پوچھئے تو مؤلف کی دقت نظری مختصر نویسی ہی میں ظاہر ہوتی

ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی کی اس بات سے کسے اختلاف ہو سکتا ہے کہ مختصر لکھنا طول طویل لکھنے کے مقابلے میں زیادہ مشکل ہے اور اس کے لیے وقت بھی زیادہ درکار ہوتا ہے۔ مولانا محمد علی جوہرؒ نے جو اپنی غیر معمولی سیاسی مصروفیات کی وجہ سے حد درجہ عدیم الفرصت تھے، کامریڈ اخبار میں ایک طویل اداریہ اس وقت لکھا جب تحریک خلافت زوروں پر تھی۔اداریہ نے لوگوں کو متاثر کیا، لیکن ایک صاحب بصیرت نے مولانا کے اداریہ کی تو تعریف کی لیکن ساتھ ساتھ یہ بھی کہا کہ "مولانا اگر یہ مختصر ہوتا تو اس کا اثر کہیں زیادہ ہوتا"۔ مولانا نے ان کی بات غور سے سنی اور فرمایا: "محترم آپ کی رائے نہایت درست ہے لیکن مختصر لکھنے کے لیے میرے پاس وقت نہیں ہے"۔ کہنے کو یہ ایک لطیفہ تھا لیکن اپنے اندر خاص گہرائی وگیرائی اور معنویت رکھتا ہے۔ میرے خیال میں یہ دونوں مباحث کہتری قامت کے باوجود بہتری قدر و قیمت کی اچھی مثال ہیں۔

حاصل کلام یہ کہ یہ کتاب نو واردان بساط تحقیق، عام محققین اور اہلِ علم کے لیے ایک وقیع تحفہ اور تحقیق و تدقیق کے فنی ذخیرے میں گراں قدر اضافہ ہے۔ امید قوی ہے کہ ان شاء اللہ یہ کتاب ہماری یونیورسٹیوں، علمی حلقوں اور عام تعلیمی اداروں میں مقبول ہوگی۔

واللہ ولی التوفیق

تمہید

ادبیات عامہ، بالخصوص اسلامیات اور عربی ادب' کے محققین اور ریسرچ اسکالرز سے کچھ مخفی نہیں کہ مشرقی مصنفین کے علم و مطالعہ، فہم و ادراک اور نقد واستنباط کی سطح جہاں نہایت رفیع الشان ہے' وہیں ان کی علمی تحقیق کا معیار پست ہے۔ اس کی بڑی وجہ بالعموم یہ ہے کہ ہم ریسرچ اور تحقیق کے جدید اصولوں اور ان کے تقاضوں سے تقریباً ناواقف ہیں۔ ابھی زیادہ دن نہیں گزرے کہ دوسرے علوم وفنون کی طرح اس میدان کا شہسوار ہمارے علاوہ اور کوئی نہ تھا۔ اب یہ قیادت بھی مشرق سے مغرب کو منتقل ہو گئی۔ تحقیقات واکتشافات کے دوسرے میدانوں کی طرح اہل مغرب علم و فن کے ہر میدان میں ہمیں پیچھے چھوڑ گئے ہیں۔ اب ہمارے لیے کوئی چارہ نہیں کہ اس میدان میں بھی اُن کی سعیِ مشکور سے فائدہ اٹھائیں۔

بتوفیق الٰہی میں نے دنیا کے تین براعظموں یعنی ایشیا (ہندستان)، افریقہ (مصر) اور یورپ (برطانیہ) میں تعلیم حاصل کی اور اخذ و استفادہ کیا لیکن حقیقت یہ ہے کہ رِسَرچ کے اصول، طریقۂ بحث و تحقیق اور مبادئ فن میرے لیے ایک معمّا بنے رہے۔ مانچسٹر یونی ورسٹی میں پی ایچ ڈی کے لیے جب میں نے اپنا مقالہ مشہور مستشرق پروفیسر بوزورتھ کی نگرانی میں لکھنا شروع کیا تو مجھ پر یہ راز کھلا کہ رِسَرچ ہے کیا اور اس کی فنی باریکیاں کیا ہیں۔ گویا جو چیز اب تک میرے لیے معمّا تھی، اب حل ہوگئی۔ معلومات میں تو کوئی قابل ذکر اضافہ نہیں ہوا، البتہ رِسَرچ کے اصول، اس کے فنی نکات اور جدید اسلوب تحریر وغیرہ کا فہم و ادراک یقیناً قابل ذکر ہے۔ ان امور کا ادراک مجھے یہیں ہوا۔ پروفیسر بوزورتھ کے لکچرز سے اِس ضمن میں میں نے بہت استفادہ کیا۔ یہ لکچرز پروفیسر موصوف ہم طلبہ کو رِسَرچ کے اصول و مبادیات اور اس کے فنی پہلوؤں پر دیا کرتے تھے۔ موصوف کے گرانقدر نظریات و آرا نے مجھے ذہنی طور پر کس قدر متأثر کیا، اِسے آپ زیرِ نظر کتاب میں کہیں کہیں محسوس کریں گے۔

ستمبر ۱۹۹۱ء میں جامعہ ملیّہ اسلامیہ نئی دہلی نے بتوفیق الٰہی مجھے سائنٹیفک رِسَرچ کے اصول پر لکچر دینے کے لیے مدعو کیا۔ میرے لکچرز کا یہ پروگرام یو جی سی کے زیر اہتمام یونی ورسٹی ٹیچرز ٹریننگ پروگرام کے تحت عمل میں آیا تھا۔ یونی ورسٹی گرانٹس کمیشن (UGC) ہندستانی یونی ورسٹیوں کے اہتمام و نگرانی اور مالی سرپرستی کے لیے سب سے اعلیٰ

ادارہ ہے۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ کے اِن لیکچرز میں ہندستانی یونی ورسٹیوں کے اساتذہ و مدرسین نے شرکت کی اور بہت اہتمام و توجہ سے سُنا۔ اس لیے کہ ان اصول و مبادیات سے وہ بڑی حد تک ناواقف تھے۔ اس بات کا ان اساتذہ نے برملا اظہار بھی کیا۔ اُس وقت سے جامعہ ملیّہ اسلامیہ کے اکیڈمک اسٹاف کالج میں لیکچرز کا یہ سلسلہ تقریباً ہر سال جاری ہے۔

اس کے بعد بتوفیق الٰہی امام محمد بن سعود اسلامی یونی ورسٹی ریاض (سعودی عرب) نے انھیں موضوعات پر لیکچرز کے لیے مجھے دعوت دی۔ یہ لیکچرز ایم۔ اے اور پی ایچ ڈی کے طلبہ کے لیے تھے۔ مدینہ منوّرہ میں معهد الدعوة والإعلام مذکورہ بالا یونی ورسٹی کی شاخ ہے۔ پہلے میرے مذکورہ لیکچرز وہاں اکتوبر، نومبر ۱۹۹۱ء کے درمیان ہوئے اور پھر نومبر میں دار السلطنت ریاض میں امام محمد بن سعود یونی ورسٹی کی فیکلٹی آف شریعت (كلية الشريعة) میں ہوئے۔ یہاں بھی میرے اِن لیکچرز کو قبول عام حاصل ہوا اور سننے والوں نے ہاتھوں ہاتھ لیا، خصوصاً مدینہ منوّرہ میں۔ کیوں کہ وہاں یونی ورسٹی کے اساتذہ بحیثیت سامع شریک ہوا کرتے تھے۔ اور اعلیٰ تعلیم کے طلبہ کے ساتھ ساتھ اساتذۂ کرام نے بھی بحث و مناقشہ میں یکساں حصّہ لیا۔ یہ لیکچرز مقالات کی شکل میں سلسلہ وار عربی رسالہ البعث الإسلامي (ندوۃ العلماء، لکھنؤ) سے ۱۹۹۲ - ۱۹۹۵ء کے دوران شائع ہوتے رہے۔ ان کی افادیت کے پیشِ نظر اکثر احباب کا اصرار تھا کہ اسے کتابی شکل میں شائع کیا جائے اور میری صورت

حال یہ تھی کہ فرصت کا منتظر تھا کہ ایک بار نظرِ ثانی اور کچھ حذف و اضافہ وغیرہ کیا جا سکے۔ لیکن اپنی مصروفیات اور ذاتی حالات کے پیشِ نظر مجھے اس کا امکان کم ہی نظر آ رہا تھا کہ وہ ذہنی یکسوئی اور فرصت مل سکے گی، جو اس طرح کے کاموں کے لیے ضروری ہے۔ میرے دوسرے بہت سے علمی کام صرف اسی ذہنی یکسوئی اور کم فرصتی کا شکار ہو کر اب تک منظرِ عام پر نہیں آ سکے۔

بالآخر یہی سمجھ میں آیا کہ ابھی تو اسے یوں ہی جیسا کچھ ہے ضروری تصحیح و اضافہ کے ساتھ شائع کر دوں۔ طبعِ ثانی کے وقت اِن شاء اللہ مزید تحسین و تحقیق، اضافے اور تفصیل کا اہتمام کیا جائے گا۔

زیرِ نظر کتاب سے آپ کو جو معلومات حاصل ہوں گی وہ کچھ میری اپنی ایجاد و اختراع نہیں ہیں بلکہ علماء و محققین اور بالخصوص مغربی ممالک کے ماہرین کی زمانۂ دراز کی ان کاوشوں، کوششوں اور محنتوں کا حاصل ہیں، جو انھوں نے تحقیقی مقالات کے مختلف فنی پہلوؤں کے قابلِ اعتماد و معتبر بنیادی اصول وضع کرنے کے لیے کی ہیں۔ یہ معلومات کچھ تو اسی فن کی کتابوں سے اخذ کی گئی ہیں اور کچھ اپنے اس عملی تجربے سے جو مجھے خاص طور پر مانچسٹر یونی ورسٹی کے شعبۂ علومِ اسلامیہ میں ڈاکٹریٹ کے لیے پروفیسر بوزورتھ کے زیرِ نگرانی اپنا تحقیقی مقالہ[1] لکھتے ہوئے ہوا۔

پروفیسر موصوف کی رہنمائی اور میرے مقالہ کے ابواب پر ان کی

---

[1] یہ مقالہ Hijrah in Islam کے عنوان سے مسلم انسٹی ٹیوٹ لندن کے زیرِ اہتمام چھپ چکا ہے، اور موجودہ کتاب کے ناشر سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔

تنقیدی آرا سے مجھے بہت فائدہ ہوا۔ پروفیسر بوزورتھ ریسرچ کے طلبہ کو تحقیقی مقالات کی ترتیب و تشکیل پر لکچر بھی دیا کرتے تھے۔ یہ لکچر نہایت معلومات افزا اور جامع اصول پر مبنی ہوا کرتے تھے۔ میں نے اس کتاب کی ترتیب میں ان سے جا بجا استفادہ کیا ہے۔ مزید برآں میرا ذاتی ۳۰ سال کا عملی تجربہ نیز بنیادی کتابوں کا مطالعہ اور اُن سے اخذ و استفادہ بھی شامل ہے۔ اپنے مطالعہ کے دوران میری نگاہ فن کی تفصیلات پر ہوا کرتی تھی خواہ کوئی بھی کتاب میرے ہاتھ میں ہو۔ فنی تفصیلات میں نے اُن دنوں کس حد تک سمجھی تھیں اس کا اندازہ میری مطبوعہ کتابوں سے کیا جا سکتا ہے، مثلاً التلمود جو ۱۹۷۱ء میں بیروت سے شائع ہوئی، دوسری تاریخ فلسطین القدیم جو ۱۹۷۳ء میں بیروت سے شائع ہوئی۔ تحقیقی مقالات کی ترتیب و اصول کے فن سے متعلق کوئی مستقل تصنیف اس وقت تک میری نظر سے نہیں گزری تھی۔ یہی وجہ ہے کہ مذکورہ دونوں کتابوں میں آپ کو خامیاں مل سکتی ہیں (مثلاً ثانوی مراجع پر اعتماد) لیکن فنی اعتبار سے یہ دونوں کتابیں بڑی حد تک معتبر ہیں۔

کچھ جامعات، جن میں مغربی ممالک ممتاز ہیں، ایسی بھی ہیں جہاں طلبہ کو ریسرچ میتھڈولوجی یعنی تحقیقی کام کرنے کا طریقہ و اسلوب سکھانے کے لیے فنِ تحقیق ایک مستقل موضوع کے طور پر درسی نصاب کے جزء کی حیثیت سے پڑھایا جاتا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ مشرقی ممالک میں ہماری یونی ورسٹیاں اتنے اہم اور ضروری موضوع سے صرف نظر کر کے بالعموم طلبہ کو ان کے حال پر چھوڑ دیتی ہیں، یا زیادہ سے زیادہ

اُن کے نگرانِ مقالہ کے رحم وکرم پر۔ یہ نگراں حضرات بھی ایسے ہی ہوتے ہیں کہ کبھی کچھ توجہ فرمادی اور کبھی کچھ بھی نہیں۔ اکثریت کا حال بے توجہی کا ہے۔ ہمارے اِس قطعۂ ارض کے اساتذہ کی دلچسپیاں تعلیم و تعلّم سے ہٹ کر کسی اور طرف ہیں۔ جاہ ومرتبہ اور انتظامیہ میں اعلیٰ منصب کا حصول وغیرہ ان کی سرگرمیوں کے میدان ہیں۔ تعلیم و تعلّم سے بے توجہی کا ایک بڑا سبب بسا اوقات یہ بھی ہوتا ہے کہ اساتذہ پر تدریسی بوجھ اتنا لاد دیا جاتا ہے کہ بے چارے اس کے بعد مزید پڑھنے پڑھانے اور تحقیقات کے لیے فرصتِ مزید اور توانائی لانے سے معذور ہوتے ہیں۔ رِسَرچ کے طلبہ اس صورت حال کا شکار کیوں نہ ہوں، کیوں کہ ہمارے یہ اساتذہ اِن کے لیے وقت کہاں سے نکالیں گے؟

میری یہ متواضع کوشش اِن شاء اللہ ہر طرح کے بحث وتحقیق والوں کے لیے مفید ثابت ہو گی لیکن روئے سخن بالخصوص اُن طلبہ کی ہدایت و رہنمائی کی طرف ہے جو پی ایچ ڈی کے مراحل سے گزر رہے ہیں۔ میری گزارش اُن سے یہ ہو گی کہ علمی تحقیقات کے فنی پہلوؤں پر جو گفتگو آیندہ صفحات میں کی گئی ہے، اس کی قدر وقیمت اور اہمیت کے باوجود آپ صرف اِسی کے ہو کر نہ رہ جائیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اپنے تحقیقاتی مراحل میں سب سے زیادہ جس چیز کی آپ کو ضرورت ہے وہ ہے کھُلا ذہن، ہمّت وثابت قدمی اور فطرت سلیم۔

یہ بھی خیال رہے کہ اِن تمام خصوصیات اور فنی پہلوؤں کے احاطہ کی راتوں رات آپ سے توقع نہیں کی جاتی ہے۔ اپنے تحقیقی سفر کی

مشغولیتوں میں آپ مشق و ممارست تجربہ اور تأمل و تعمق کے ذریعہ بہت کچھ سیکھتے اور ذہن نشین کرتے جائیں گے۔ کیوں کہ اِن مین اکثر باتیں ایسی ہی ہیں جن کا سمجھنا اور اُن پر عبور حاصل کرنا مشق و ممارست اور عملی تجربہ کے بغیر مشکل ہے۔

یہ امر بھی ذہن نشین ہونا چاہیے کہ کسی کتاب کے ذریعے ـــ مثلاً یہی زیرِ نظر کتاب ـــ یہ ممکن نہیں کہ موضوع سے متعلق تمام معلومات آپ کے ذہن نشین کرادی جائیں۔ اس کتاب کا مقصد صرف اتنا ہے کہ آپ کام کی بعض بنیادی باتوں سے واقف ہوجائیں۔ یعنی معلومات اور دلائل کا جمع کرنا اور سلجھے ہوئے اسلوب میں اسے استعمال کرکے کسی ایسے مفید اور صحیح نتیجے تک پہنچنا جو ہماری معلومات میں کسی طرح کا اضافہ کرسکے۔ یہ اضافہ علم و فن کے خواہ کسی موضوع سے متعلق ہو مختصر الفاظ میں یہی رِسَرچ ہے اور اسی فن تحقیق سے متعلق بعض بنیادی فنی اصول میں آپ کی رہنمائی کردینا اس کتاب کی غرض و غایت ہے۔

اصل کام آپ کے ہاتھ میں ہے اور آپ کو خود کرنا ہے۔ ان فنی معلومات کی مثال ایسی ہی جیسے کہ آپ نے موٹر ڈرائیونگ کی تعلیم حاصل کی۔ اِس فن کا سکھانے والا خواہ کوئی ہو، اِس سے زیادہ اور کیا کرسکتا ہے کہ فن کے بعض بنیادی اصول بتا دے اور اس کی عملاً تربیت دیدے۔ لیکن گاڑی تو خود آپ ہی کو چلانی ہوگی، وہ آپ کی جگہ گاڑی نہیں چلائے گا ـــ نہ ہی ایسے نازک موقعوں پر وہ آپ کے

ساتھ ہوگا جو ڈرائیونگ پر آپ کی قدرت اور مہارت کا امتحان لیں گے۔ آپ کو خود ثابت کرنا ہوگا کہ آپ نے گاڑی چلانے میں کتنی مہارت حاصل کی ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ آپ خود اپنے اوپر اعتماد کرتے ہوئے فنِ تحقیق کی وسعتوں میں گامزن ہوں اور بڑھتے چلے جائیں اور بطور زادِ راہ فن کے اِن بنیادی اور اہم اصول و معلومات کو ساتھ لے لیں۔

یہاں ایک اور امر قابلِ ذکر یہ ہے کہ مغربی محققین کا طریقۂ کار اِن دنوں یہ ہے کہ پہلے وہ اپنی تحقیقات کسی سیمینار وغیرہ میں پیش کرتے ہیں تاکہ اس پر ماہرین کی بحث اور ان کے نتائج سامنے آجائیں۔ پھر تحقیقات کسی رسالے میں طبع کرا دیتے ہیں۔ اِن مراحل سے گزرنے کے بعد ہی وہ اپنی تحقیقات کتابی صورت میں پیش کرتے ہیں۔ یہ طریقہ نہایت مفید ہے۔ اس سے ماہرین کی تنقید اور آرار کا علم ہو جاتا ہے، اپنی کوتاہیوں اور لغزشوں کی اطلاع ہو جاتی ہے اور کتابی شکل دینے سے قبل اِسے مزید حُسن و رعنائی بخشنے میں گراں قدر مدد ملتی ہے۔ یہ طریقہ اگر ہماری یونی ورسٹیوں اور تحقیقی مرکزوں میں اپنایا جائے تو ہمارا تحقیقی معیار یقیناً خوب سے خوب تر ہو سکتا ہے۔

عالم اسلام میں اِن دنوں تصنیف و تالیف اور نشر و اشاعت زوروں پر ہے۔ نہ لکھنے والوں کی کمی ہے نہ چھاپنے والوں کی لیکن آپ غور کریں تو معلوم ہوگا کہ اِن مطبوعات کا اکثر و بیشتر حصہ ناکارہ ہوتا ہے اور علمی، تحقیقی اور ثقافتی سطح پر کوئی دیرپا یا مثبت اثر قائم نہیں کرتا ہے۔ بلکہ اس کے برعکس یاس و قنوط اور علمی زوال کا راستہ

ہموار کرنے میں بیک وقت مصنّف اور قاری دونوں ہی پر اثر انداز ہوتا ہے۔

زیرِ نظر کتاب میں ہم نے رسائل میں شائع ہونے والی تحقیقات کے بارنے میں بھی ایک باب مختص کیا ہے۔ امید قوی ہے کہ یہ باب مختصر تحقیقی مقالے لکھنے والوں کے لیے مفید ثابت ہوگا۔

اس کتاب پر قارئین کرام کی آرا، ونظریات اور اُن کے مشورے اور نقد کا میں گرمجوشی سے استقبال کروں گا۔ موضوع سے متعلق مختلف زاویوں سے اپنے مشوروں اور مسائل سے مجھے مندرجہ ذیل پتے پر مطلع فرمائیں :

P.O. Box 9701, New Delhi 110025

میرے بچپن کے ساتھی اور محترم دوست ڈاکٹر شفیق احمد خاں (ریڈر شعبۂ عربی جامعہ ملیہ اسلامیہ) کی مساعی جمیلہ کا میں تہِ دل سے شکر گزار ہوں۔ انھیں کے شدید اصرار نے اس موضوع پر لکچر دینے کی شدید ضرورت کا احساس مجھ میں ابتداءً بیدار کیا۔ اللہ تعالیٰ اُنھیں اپنے شایانِ شان جزاءِ خیر دے۔ مؤتہ یونی ورسٹی (اردن) کے استاد ڈاکٹر جهاد المجالي (جو مانچسٹر یونی ورسٹی کے دورانِ قیام میرے بہترین دوست اور ساتھی تھے) نے قیمتی اور مفید مشورے دیئے جن سے میں نے کتاب پر نظرِ ثانی کرتے ہوئے استفادہ کیا۔

ظفرالاسلام خان

نئی دہلی، یکم جنوری ۱۹۹۵ء

باب اوّل

علمی تحقیق کی غرض و غایت

اور

اس کے مبادی

میرے لیے یہ سعادت ہے کہ آپ حضرات کے ساتھ علمی تحقیق کے طریقۂ کار اور اس کے اصول و مبادیات کے موضوع پر کچھ گفتگو کروں۔ معلم و استاد کی حیثیت سے نہیں بلکہ صرف ایک دوست اور ایک مخلص ساتھی کی حیثیت سے۔ شاید میرے اور آپ کے لیے یہ گفتگو نفع بخش ثابت ہو۔ کیوں کہ ہم دونوں ہی درحقیقت طالب علم ہیں اور ساتھ ہی ایک ایسی امّت کے فرزند ہیں، جس کے فرائض میں از ابتدا تا انتہا، سیکھتے رہنا شامل ہے۔ طلب علم کا یہ عمل آغوشِ مادر سے بسترِ مرگ کی آخری سانس تک یکساں جاری و ساری ہے۔

ممکن ہے کہ میری اس تحقیقی کاوش میں آپ کے لیے کوئی نئی بات نہ ہو، اور جزئی یا کلی طور پر آپ کے فکری سرمائے میں کوئی اضافہ نہ

ہو، لیکن اس سلسلے میں یہ عرض کرنا چاہوں گا کہ بات صرف "جاننے" کی نہیں ہے بلکہ اس معرفت کو شعوری اور حسّی طور پر بحیثیت ایک محقق کے ہمارے شعور و وجدان کا حصّہ بن جانا چاہیے۔ یہ نکتہ انتہائی اہمیت کا حامل ہے کیوں کہ آج بالخصوص عالمِ اسلام میں علمی بحث و تحقیق کا معیار روز افزوں زوال پذیر ہے۔ نہ صرف اس لیے کہ محققین علمی تحقیق کے مبادیات اور جدید معیاروں سے ناواقف ہیں بلکہ اس لیے بھی کہ ہمارے ریسرچ اسکالرز، ناشر حضرات اور قارئین پر ایک جمود و تعطل اور آرام پسندی طاری ہے۔ اور اس پر طرفہ تماشا یہ کہ قدامت پرستی اس حد تک ذہنوں پر مسلّط ہے کہ اِن کے لیے ہر نئی چیز "بدعت" ہے۔ حالانکہ یہ مناسب نہیں ہے، کیوں کہ ہمارا تعلق تو اُس امّت سے ہے جسے بنیادی سبق یہ دیا گیا ہے:

(1)
"الكلمة الحكمة ضالة المؤمن، حيثما وجدها فهو أحق بها"

جسے خواجہ الطاف حسین حالؔی نے یوں بیان کیا ہے:

کہ حکمت کو اک گم شدہ لعل سمجھو
جہاں پاؤ اپنا اسے مال سمجھو

توقع ہے کہ میری یہ علمی کاوش نہ صرف آپ کے تحقیقی سفر میں ممدو معاون ثابت ہوگی بلکہ آپ کی سرپرستی میں آپ کے زیر ہدایت کام کرنے والے ریسرچ اسکالرز کو ہدایات دینے میں بھی مفید ہوگی تاکہ وہ راہ کے نشیب و فراز سے باخبر ہو سکیں۔

اگلے صفحات میں جن امور پر ہم گفتگو کریں گے وہ کچھ ایسے دشوار بھی

نہیں ان کا فکری احاطہ بہت آسان ہے کیوں کہ اِن میں اکثر وہی باتیں ہیں جن کی طرف فطرتِ سلیمہ اور ذوقِ سلیم خود مائل ہوتا ہے۔

اگرچہ بنیادی طور پر میرے مخاطب پی ایچ ڈی کے رِسَرچ اسکالرز ہیں اور یہ کتاب اُنھیں کے لیے لکھی گئی ہے، لیکن ہر تحقیقی مضمون اور علمی نقد و تجزیہ جو دقتِ نظر اور تحقیق کا متقاضی ہے، خواہ وہ پی ایچ ڈی کے مقالات سے اپنی نوعیت کے اعتبار سے مختلف ہی کیوں نہ ہو، ہمارے دائرے سے خارج نہیں۔ ہر ایک کے لیے یہ معلومات یکساں مفید ہیں۔ اس کتاب میں آپ جو کچھ پڑھیں گے وہ سب کچھ یا کم از کم اس کے بڑے حصّے کا ادراک عملی تجربہ کے بعد آپ بالآخر خود کرلیں گے، لیکن یہ کہاں کی دانشمندی ہے کہ ایک چیز جسے آپ چند ماہ میں حاصل کرسکتے ہیں، اس کے لیے عمرِ عزیز کے برسہا برس ضائع کیے جائیں؟

موضوع کی مناسبت و نوعیت کے لحاظ سے ہم نے زیرِ نظر لکچرز کو چار حصّوں پر تقسیم کیا ہے:

اوّل: تحقیق کی غرض و غایت اور اس کے بنیادی خد و خال

دوم: مصادر اور مراجع

سوم: بعض بنیادی مآخذ

چہارم: تحقیق کے فنی پہلو جن کا اہتمام ڈاکٹریٹ یا دوسرے تحقیقی مقالات برائے اشاعت کی تیاری میں ضروری ہے۔

رِسَرچ کی غرض

پہلا سوال جو اس ضمن میں ذہنوں میں آنا چاہیے اور جس کے اطمینان بخش جواب کے بغیر آپ آگے نہیں بڑھ سکتے، وہ یہ ہے کہ: ہماری رِسَرچ اور تحقیق کا مقصد کیا ہے؟ اس سوال کے جواب مختلف ہو سکتے ہیں۔ لیکن میرے خیال میں اس کے معقول و قابل قبول جواب صرف دو ہیں۔ پہلا یہ کہ ہم اپنی اس تحقیقی کاوش کے ذریعہ موضوع سے متعلق انسانی ذخیرۂ معلومات میں کوئی نیا اور اہم اضافہ کرنا چاہتے ہیں۔ کوئی ایسی بات جو اس موضوع پر اب تک سامنے نہیں آئی اُسے پیش کرنا چاہتے ہیں۔ دوسرا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ تحقیق و بحث کی غرض یہ ہے کہ ہم فن برائے فن کی حیثیت سے اس میدان میں مہارت و کمال حاصل کرنا چاہتے ہیں تاکہ ایک مخصوص علمی میدان میں اس کے تجربہ کار ماہر بن سکیں، اور رِسَرچ اسکالرز کو اس سلسلے میں جن مشکلات و مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے اسے سمجھ سکیں اور اسی طرح دوسروں کی تحقیق و بحث کو مزید قدر و قیمت اور وزنی بنانے کی صلاحیت ہم میں اُبھر سکے۔ اور ہمیں وہ صلاحیت و عبور حاصل ہو جائے جس سے ہم اُن لوگوں کی رہنمائی کر سکیں، جو موضوع سے متعلق مختلف تحقیقی کاموں میں لگے ہوئے ہوں اور اپنی نگرانی میں تحقیقی مقالات کی تیاری کا حق ادا کر سکیں۔

لیکن اگر غرض صرف "ڈاکٹریٹ" کی ڈگری حاصل کرنی ہے، بہ الفاظ

دیگر اپنے نام کے ساتھ "ڈاکٹر" کا اضافہ آپ کی آرزو بن کر تحقیقی مقالے میں سمٹ آئی ہے، جیسا کہ کچھ لوگ چاہتے ہیں جن کی غرض صرف یہ ہے کہ اسے ملازمت یا ترقی حاصل کرنے کا ذریعہ بنائیں، تو میرے خیال میں تضییع اوقات، محنت رائیگاں اور قوم کے قیمتی سرمائے کی بے دریغ بربادی کے علاوہ اس عظیم المرتبت میدان میں ہم نے کچھ حاصل نہ کیا۔

موضوع

مناسب یہ ہے کہ رِسَرچ کا موضوع خود آپ کی اپنی ذہنی پیداوار ہو۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ آپ کے بعض اساتذہ یا دوسرے رِسَرچ اسکالرز جو آپ سے پہلے اِن مراحل سے گزر چکے ہیں آپ کو کسی مخصوص موضوع پر تحقیق کا مشورہ دیتے ہیں۔ کسی موضوع کے اختیار کرنے کے لیے صرف اتنی سی بات کافی نہیں کہ آپ کو کسی نے کوئی موضوع بتا دیا اور آپ اس پر کام کرنے کے لیے جُٹ گئے۔ نہیں، ایسا نہ کریں۔ بلکہ مطلوبہ موضوع پر پہلے خود بخود پڑھیں اور اتنا پڑھیں کہ آپ اپنے طور پر مطمئن ہو جائیں کہ ہاں یہ موضوع واقعی تشنۂ تحقیق ہے اور اس پر عمرِ عزیز کے گراں قدر چند سال لگانا ضائع نہیں ہوگا۔ اگر آپ کو اس حد تک اطمینان اور شرحِ صدر حاصل نہیں تو یقیناً آپ خود اپنا اور دوسروں کا وقت ضائع کریں گے۔ مزید برآں سارا کام کرنے کے بعد بھی آپ رِسَرچ کے وہ لازمی ثمرات حاصل نہیں کر سکیں گے جو اس کا حاصل اور جوہرِ اصل ہیں اور جس کی توقع آپ سے بالآخر کی جاتی ہے۔ یعنی یہ

کہ آپ میں وہ فنی مہارت اور چابکدستی پیدا ہو جائے جس کی مدد سے آپ خود اعتمادی کے ساتھ آزادانہ طور پر کسی موضوع پر تحقیقی کام کسی نگراں کے مرہون احسان ہوئے بغیر کر سکیں۔ اصول تحقیق میں مہارت کے بعد ضروری نہیں کہ اپنے مخصوص میدان میں ہی آپ محصور ہوں، دیگر قریبی موضوعات پر تحقیقات کا سلیقہ بھی آپ میں پیدا ہو جائے گا۔

جب کسی موضوع پر آپ کی رائے جم جائے اور اُس پر آپ نے کچھ پڑھ بھی لیا ہو تو آپ ایسے سوالات و مسائل کی ایک فہرست تیار کریں، جن کا جواب آپ اپنے مقالے میں پیش کریں گے۔ اس فہرست میں اپنے جواب کی تائید میں آپ جن باتوں یا شہادتوں کو بطور استدلال پیش کریں گے انھیں بھی پیش کریں۔

آپ کے علمی سفر کے ابتدائی مراحل میں یہ باتیں بہترین زادِ راہ ثابت ہوں گی اور جو کچھ آپ کرنا چاہتے ہیں، اس پر فکر و نظر کو بطریقِ احسن مرتکز کرنے کا بہترین ذریعہ بنیں گی۔ اگر آپ نے شروع ہی سے ایسا نہ کیا تو موضوع اور اس کی تحقیق سب پریشان خیالی کی تصویر بن کر رہ جائے گا۔ آپ خود بھی یہ نہ سمجھ سکیں گے کہ آپ کس چیز کی تحقیق کے لیے اب تک سرگرم عمل تھے۔ ہاں یہ امر فطری ہے کہ اپنے مطالعہ اور تحقیق میں آپ جس قدر ترقی کریں گے افکار و نظریات اور مسائل کی نوعیت بدلتی رہے گی۔ یہ مسئلہ چنداں قابل اعتناء نہیں کیونکہ تحقیقاتِ علمی میں یہ مرحلہ بار بار آتا ہے۔ صحیح تو یہ ہے کہ یہ اسی راہ کی سنتِ متواترہ ہے۔ کم ہی ایسے محققین ہوں گے جو آخر تک اپنی ابتدائی رائے

پر قائم ہوں ۔ آرار و نظریات میں تغیر کثرت مطالعہ اور نئی نئی تحقیقات کا نتیجہ ہے جو بذریعہ مطالعہ ذہن تک پہنچ کر بہت سے فکری دریچے کھول دیتی ہیں اور مزید انکشاف ہوتا چلا جاتا ہے ۔

البتہ اس امر کی رعایت نہایت ضروری ہے کہ آپ مطالعہ کے ذریعہ جو مواد جمع کر رہے ہوں یا جن نتائج تک پہنچ رہے ہوں وہ مواد خود بحث وتحقیق کا رُخ متعین کریں ۔ اس کے برعکس اگر آپ نے پہلے ہی سے ازخود اپنی تحقیق کے لیے کوئی خاکہ تیار کر رکھا ہے، اس کا طریقہ کار اور رُخ متعین کر رکھا ہے اور اب ایسے مواد کی تلاش میں ہیں جو آپ کے پہلے سے متعین خاکہ میں معاون ثابت ہوسکیں اور دیگر مواد و شواہد جو اس سے ہم آہنگ نہ ہوں اُسے نظرانداز کرتے جائیں تو یاد رکھیے کہ یہ علمی خیانت ہے ۔ اسے تحقیق نہیں کہتے ۔ گویا آپ نے قبر پہلے کھود دی اور اب اسی سائز کے مُردے کی تلاش میں سرگرم ہیں ۔

ایک دوسری بات جو یکساں اہم ہے وہ یہ ہے کہ اپنے موضوع کے تعین و اختیار سے قبل اس امر کی اچھی طرح تحقیق کرلیں کہ اس موضوع پر آپ سے پہلے تو کسی نے تحقیقی کام نہیں کیا ہے ۔ اس تحقیق کے مختلف ذرائع ہیں، ان میں زیادہ معتبر اور اہم اُن کتب و مجلات کا مطالعہ ہے جو مختلف یونی ورسٹیاں اور تحقیقی ادارے شائع کرتے ہیں ۔ اِن مطبوعات میں یہ شائع کیا جاتا ہے کہ خود اُس یونی ورسٹی یا اس ملک کی دیگر یونی ورسٹیوں میں کیا کیا تحقیقی کام ایک متعینہ مدّت کے دوران ہو چکا ہے ۔ مثال کے طور پر ذیل کی مطبوعات :

۱۔ مصری یونیورسٹیوں میں تحقیقی مقالات:

أ - إنشاد محمود عز الدين وعادل بشيلي بشاى ، دليل رسائل الماجستير والدكتوراه المتعلقة بالشرق الأوسط التى أجيزت بالجامعات المصرية، القاهرة : مط. جامعة عين شمس، ۱۹۷۷، ۱۲۲ص.

(مشرق اوسط سے متعلق ایم۔اے اور پی ایچ ڈی کے لیے لکھے گئے مقالات کی فہرست جن پر مصری یونی ورسٹیوں نے ڈگری دی) قاہرہ، عین شمس یونی ورسٹی پریس، ۱۹۷۷، ۱۲۲ صفحات۔

ب - مؤسسة الاهرام بمصر، الدليل الببليوجرافي للرسائل الجامعية فى مصر ۱۹۲۲-۱۹۷٤ (القاهرة ۱۹۷٦)

(۱۹۲۲ - ۱۹۷۴ کے دوران مصری یونی ورسٹیوں میں لکھے جانے والے تحقیقی مقالات کی فہرستِ کتابیات) مطبوعہ قاہرہ ۱۹۷۶ء (جلد اوّل متعلق ہیومینٹیز Humanities پر ہے اور شاید یہی ایک جلد شائع ہوئی)

۲۔ سعودی یونی ورسٹیوں کے تحقیقی مقالے:

زيد بن عبدالمحسن آل حسين ، دليل الرسائل الجامعية فى المملكة العربية السعودية ، الرياض : مركز الملك فيصل للبحوث والدراسات الإسلامية، ط ۲ : ۱۹۹۵.

سعودی عرب کی یونی ورسٹیوں میں لکھے جانے والے تحقیقی مقالات کی یہ ڈائرکٹری ریاض سے دوسری بار ۱۹۹۵ء میں شائع ہوئی۔ اسے مرکز شاہ فیصل برائے تحقیقات و دراسات اسلامیہ نے شائع کیا ہے۔

اس میں ۵۳۰۷ ریسرچ مقالات کی تفصیل درج ہے جو ۱۳۸۹ھ ۔

۱۴۱۴ھ کے درمیان لکھے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ مملکت سعودی عرب میں تعلیمی ترقی کی رفتار اور اعداد و شمار بھی اس میں بتائے گئے ہیں۔

۳۔ امریکی اور کینیڈین یونی ورسٹیوں کے تحقیقی مقالات:

امریکہ اور کینیڈا کی یونی ورسٹیوں میں تحقیقی مقالات برائے ڈاکٹریٹ کی کی تفصیل مندرجہ ذیل کتابوں میں ہے:

أ-

Michael Sims, *United States doctoral dissertations in Third World studies, 1869-1978*. Los Angeles: Crossroads Press, 1981, 450 pp.

اس ڈائرکٹری میں ۱۹۰۰۰ پی ایچ ڈی مقالات کی فہرست ہے جو تیسری دنیا کے مختلف علوم وفنون و مسائل کے بارے میں ۱۸۶۹-۱۹۷۸ء کے دوران امریکی اور کینیڈین یونی ورسٹیوں میں منظور کیے گئے۔ ان مقالات کے دائرہ میں مشرق وسطیٰ، شمالی افریقہ اور عالم اسلام شامل ہیں۔

ب -

George Dimitri Selim, *American doctoral dissertations on the Arab World-1883-1968*. Washington D.C.: Library of Congress, 1970, xvii+103 pp.

یہ مشرق وسطیٰ اور اسلام کے بارے میں اُن ۱۰۳۲ تحقیقی مقالات کی فہرست ہے جو کہ امریکی اور کینیڈین یونی ورسٹیوں میں ۱۸۸۳-۱۹۶۸ء کے دوران منظور کیے گئے۔

فہرست ساز امریکہ کی کانگریس لائبریری میں عرب اور اسلامی مطبوعات

کے ماہر ہیں ۔ انھوں نے اس کام کو جاری رکھتے ہوئے مندرجہ ذیل ضمیمہ بھی شائع کیا ہے جس میں ۱۹۷۵۔ ۱۹۸۱ء کے دوران قبول کیے جانے والے تحقیقی مقالات کی تفصیل ہے :

American doctoral dissertations on the Arab World, 1975-1981. Washington D.C.: Library of Congress, 1983, xii+200 pp.

مزید برآں ریسرچ لائبریریوں کی امریکی اسوسی ایشن نے بھی امریکی یونیورسٹیوں میں قبول کیے جانے والے تحقیقی مقالات کی مندرجہ ذیل فہرست شائع کی ہے :

Association of Research Libraries, *Doctoral dissertations accepted by American universities.*

اس فہرست کو مندرجہ ذیل امریکی نشریاتی کمپنی سے حاصل کیا جاسکتا ہے:

University Microfilm International, 300 North Zeeb Road, Ann Arbor, MI 48106 -1346, USA

اس کمپنی نے امریکی یونی ورسٹیوں میں بعض مخصوص موضوعات پر پیش ہونے والے تحقیقی مقالات کی بھی کچھ فہرستیں شائع کی ہیں جن میں عرب ممالک کے بارے میں مندرجہ ذیل خصوصی فہرست شامل ہے :

Arab World: a selected collection of doctoral dissertations and masters' theses (1989)

مندرجہ بالا فہرست میں ۹۹۷ پی ایچ ڈی مقالات کی تفصیلات شامل ہیں جوکہ ۱۹۷۸ - ۱۹۸۷ء کے دوران عرب اور اسلام کے مختلف موضوعات پر امریکی یونی ورسٹیوں میں پیش کیے گئے۔

۴۔ فرانسیسی یونی ورسٹیوں کے تحقیقی مقالے:

Association Française des Arabisants, Paris, *Dix Ans de Recherche universitaire française sur le Monde arabe et islamique de 1968-69 à 1979.* Paris: Editions Recherche sur les Civilisations, 1982. 438 pp.

اس موضوعاتی فہرست میں فرانسیسی یونی ورسٹیوں میں ۱۹۶۸-۱۹۷۹ء کے دوران پیش کیے جانے والے ۵۸۰۷ تحقیقی مقالات کی تفصیل درج ہے

۵۔ جرمن، سوئس اور آسٹرین یونی ورسٹیوں کے تحقیقی مقالے:

أ-

Klaus Schwarz, *Verzeichnis deutschsprachiger Hochschulscriften zum islamischen Orient (1885-1970). Deutschland-Osterreich-Schweiz.* Freiburg-im-Breisgau, N.P. 1971. 280 pp.

مندرجہ بالا فہرست میں ۱۸۸۵-۱۹۷۰ء کے دوران جرمنی، سوئٹزر لینڈ اور آسٹریا کی یونی ورسٹیوں میں اسلامی مشرق کے بارے میں پیش کیے جانے والے تحقیقی مقالات کی تفصیل ہے۔

ب -

Detlev Finke, *et. al.*, *Deutsche Hochschulshriften über*

de Modernen islamischen Orient / German Theses on the Islamic Middle East. Hamburg: Deutsches Orient - Institut, Dokumentations-Leitstelle Moderner Orient, 1973. viii+77 pp.

اس فہرست میں اسلامی مشرق وسطی کے بارے میں جرمن یونی ورسٹیوں میں پیش کئے جانے والے تحقیقی مقالات کی تفصیل ہے۔

ج۔

Klaus Schwarz, *Der Vordere Orient in den Hochschulschriften Deutschlands, Osterreichs und der Schweiz : eine bibliographie von dissertationen und habilitationsschriften (1885-1978)*. Freiburg-im-Breisgau: Klaus Schwarz Verlag,1980. xxiii+721pp.

اس فہرست میں مشرق کے بارے میں جرمنی، سوئٹزر لینڈ اور آسٹریا کی یونی ورسٹیوں میں ۱۸۸۵ - ۱۹۷۸ء کے دوران پیش کیے جانے والے تحقیقی مقالات کی تفصیلات دی گئی ہیں۔

۵ - برطانوی اور آئرش یونی ورسٹیوں کے تحقیقی مقالات:

Peter Sluglett, *Theses on Islam, the Middle East and North-West Africa 1880-1978*, London: Mansell, 1983, 200pp.

یہ فہرست اُن ۳ ہزار تحقیقی مقالات کی تفصیلات پر مشتمل ہے جو اسلامیات، مشرق وسطیٰ اور شمال مغربی افریقہ سے متعلق موضوعات پر لکھے گئے اور برطانیہ اور آئرلینڈ کی یونی ورسٹیوں میں ۱۸۸۰ - ۱۹۷۶ء کے

درمیان پیش کیے گئے ۔

ASLIB نامی برطانوی تنظیم نے اس کے علاوہ ایک اور فہرست تیار کی ہے، جس میں ڈاکٹریٹ اور ایم ۔ اے کی سطح کے تحقیقی مقالات کی تفصیلات دی گئی ہیں، جنہیں برطانیہ اور آئرلینڈ کی یونی ورسٹیوں میں پیش کیا گیا ہے ۔ اس فہرست کا نام ہے :

Index to theses accepted for higher degrees in the universities of Great Britain and Ireland.

یہ اس قسم کی مطبوعات کی ایک مختصر سی فہرست ہے ۔ یہاں ایسی فہرستوں کا احاطہ میرا مقصود نہیں ہے ۔ ان کے علاوہ متنوع قسم کی مختلف فہرستیں اسی طرح کی موجود ہیں ۔ اب تو مختلف تنظیمیں اور یونی ورسٹیاں اسی طرح کی فہرست ہر سال شائع کرتی ہیں جو ایشیا، افریقہ، جنوب مشرقی ایشیا اور اسی طرح بعض دوسرے ممالک پر تحقیقی مقالات کی تفصیلات پر مشتمل ہوتی ہیں ۔ ان فہرستوں میں متعلقہ علاقے کے عرب اور اسلامی موضوعات پر ریسرچ شامل ہوتی ہے ۔ ان میں سے بعض فہرستوں کی تفصیلات کے لیے رجوع کریں : C.L.Geddes کی تیار کردہ فہرست :

Guide to reference books for Islamic Studies.
Bibliographic Series No. 9 (Denver, USA 1985).

گزشتہ چند سالوں سے دنیائے عرب اور بالخصوص سعودی عرب کی جامعات میں اس قسم کی فہرستیں شائع کرنے کا رجحان تیزی سے بڑھ رہا ہے ۔ وہ بھی اپنی یونی ورسٹیوں میں تحقیقی مقالات اور مطبوعات وغیرہ کی

مغرب کے طرز پر فہرست تیار کرنے اور شائع کرانے کا اہتمام کر رہے ہیں۔ صرف یہی نہیں، بلکہ وہ اپنے بعض تحقیقی مقالات یا کم از کم اُن کی تلخیص بھی شائع کرتے ہیں۔ ساتھ ہی اپنی لائبریریوں میں موجود کتب و مراجع و مخطوطات کی فہرستیں (کیٹیلاگ) شائع کرنے کا اہتمام بھی کیا جاتا ہے۔ اس علمی سرگرمی کا مقصد صرف تحقیقات و مطبوعات کا ایک ریکارڈ پیش کر دینا نہیں ہوتا بلکہ ساری دنیا میں جہاں بھی کوئی ان موضوعات پر کام کر رہا ہے، اس کے لیے نہایت گراں قدر رہنمائی اور معلومات فراہم کرنا بھی اس کا مقصد ہے تاکہ معلوم ہو سکے کہ ممالک عربیہ میں علمی و تحقیقی سرگرمیوں کی رفتار کیا ہے۔
مغربی ممالک کی بعض یونی ورسٹیوں اور لائبریریوں سے آپ اُن کے تحقیقی مقالات کی فہرستیں بھی حاصل کر سکتے ہیں، جو ماضی قریب میں پیش ہوئی ہیں یا ابھی زیرِ تکمیل ہیں۔ البتہ عرب اور مسلم ممالک کی یونی ورسٹیوں اور لائبریریوں کا تعاون اس سلسلے میں مشکوک ہے۔

بہر حال آپ اس سلسلے میں خواہ کتنی ہی معلومات کیوں نہ حاصل کر لیں بالآخر یہ بات سامنے آسکتی ہے کہ آپ کے موضوع پر کچھ اور لوگ بھی اسی طرح کا کام ماضی قریب میں کر چکے ہیں یا کر رہے ہیں۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اِس طرح کی فہرستیں اور مطبوعات مکمل نہیں ہوتی ہیں۔ مزید برآں اس طرح کی فہرستیں تا دمِ تحریر معلومات فراہم نہیں کرتیں بلکہ ان میں کسی سال کے آخر تک کی معلومات ہوتی ہیں۔ مختصر یہ کہ اگر کسی ذریعہ سے آپ کو علم ہو جائے کہ اِس موضوع پر کوئی اور کام کر رہا ہے تو اس میں ایسی کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔ آپ براہ راست مراسلت کے ذریعہ اس

شخص سے کام کی نوعیت اور اس کے مآخذ وغیرہ کے سلسلہ میں معلوم کرسکتے ہیں ۔ اس سے یہ فائدہ ہوسکتا ہے کہ آپ اپنے شریک موضوع سے بات کرکے اپنا اپنا دائرہ تحقیق و بحث متعین کرلیں تاکہ موضوع کے اتحاد کے باوجود آپ کی انفرادیت باقی رہے ۔ ہاں اگر آپ کے اوّلین مآخذ وہ شخص بھی استعمال کررہا ہے اور آپ سے زیادہ کام کرچکا ہے، تو ایسی صورت حال میں آپ کو کوئی دوسرا موضوع تلاش کرنا ہوگا۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ تحقیقی کام کا جب معتدبہ حصّہ ہوچکا ہوتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ بعینہٖ یہی کام کوئی اور پہلے سے کرچکا ہے اور آپ اس موضوع پر کسی نئی بات کا اضافہ نہیں کرسکتے ۔ بسا اوقات یہ صورت بھی پیش آتی ہے کہ جو موضوع آپ نے برائے تحقیق اختیار کیا ہے، وہ اپنی محدودیت کی وجہ سے ریسرچ تھیسس کے لیے نامناسب ہے۔ یا مصادر و مآخذ جو آپ استعمال کرنا چاہتے ہیں وہ موجود تو ہیں لیکن کسی وجہ سے آپ کو دستیاب نہیں ۔ مثلاً وہ کتابیں ایسی جگہ ہیں جہاں آپ کی رسائی مشکل ہے، یا مخطوطات کی شکل میں ہیں اور جن کے پاس ہیں وہ استفادہ کا موقع آپ کو نہیں دیتے، یا پھر تحقیقی مواد ایسی زبان میں ہے، جو آپ نہیں جانتے یا اس کے اسرار و غوامض آپ حل نہیں کرسکتے، وغیرہ وغیرہ ۔ یہ صورتیں دورانِ تحقیق میں پیش آسکتی ہیں۔ اس لیے مناسب ہے کہ ایسی صورت میں آپ ایسے موضوع سے صرف نظر کرکے کسی دوسرے موضوع کا انتخاب کریں اور مزید وقت ضائع نہ کریں۔ یہ انتہائی ضروری ہے کہ آپ حقیقت کو تسلیم کریں اور کسی دوسرے

مناسب موضوع کی تلاش میں بغیر مزید وقت ضائع کیے مصروف ہو جائیں۔
یہ عمل اس سے کہیں بہتر ہے کہ آپ اپنی ساری قوت صرف کر کے اُن
ناقص معلومات کی بنیادوں پر کوئی تحقیقی مقالہ لکھ کر اپنے لیے ایسا تصوّراتی
محل تعمیر کریں، جس کا خارجی اور مادی دنیا میں کوئی وجود نہ ہو۔

موضوع کا انتخاب

جس موضوع پر تحقیقی کام کرنے کا ارادہ ہو، مناسب یہ ہے کہ پہلے
کچھ دن اس سے متعلق بنیادی اور اوّلین مآخذ کا مطالعہ کریں مثلاً ۳ ماہ تک
آپ موضوع کے متعلق جو بھی مواد مل سکے اُسے غور سے پڑھیں۔ اس طرح
آپ اُس موضوع کے متعلق مختلف معلومات حاصل کر لیں گے اور اس سلسلے
کی دیگر کتابوں کی نشاندہی بھی ہو گی۔ یہ نہایت کار آمد عمل ہے، اس سے تحقیق
و بحث کی راہیں کُھلیں گی اور جس موضوع کی تحقیق میں آپ کم و بیش اگلے
۲-۳ سال لگائیں گے اس کی واضح شکل اور خط و خال آپ کے سامنے
نمایاں ہو جائیں گے۔ ایک بات کا خیال خاص طور پر رکھیں کہ اِس مطالعہ
کے دوران ذہنی انتشار کا شکار ہو کر بھٹکنا نہیں چاہیے ورنہ ہو گا یہ کہ اصل
موضوع تو کہیں پیچھے رہ جائے گا اور آپ کبھی یہ پڑھ رہے ہوں گے، کبھی وہ
پڑھ رہے ہوں گے۔ اِس طرح موضوع سے غیر متعلق باتیں پڑھ کر تضیع اوقات
کے علاوہ حاصل کچھ نہ ہو گا۔ ہونا یہ چاہیے کہ اِس ابتدائی مطالعہ سے کم از کم
پوری پختگی اور شرح صدر کے ساتھ آپ کا ذہن کسی ایک موضوع پر جم جائے
اور اُس سے متعلق بحیثیت مجموعی و عمومی آپ کے ذہن میں کوئی رائے قائم

ہو جائے۔ اس طرح کے مجموعی تصوّر کو theme کہا جاتا ہے۔ پھر آپ اسی فکری دھاگے سے آخر تک منسلک رہنے کی کوشش کریں۔ اور اِسے ہاتھوں سے پھسلنے نہ دیں۔ اسی کے ساتھ یہ بات ذہن میں ضرور رہنی چاہیے کہ متعلقہ موضوع پر ایک گراں قدر اور پُرکشش تحقیق، نہایت سادہ وسہل اسلوب میں پیش کرنا آپ کی بنیادی ذمّہ داری ہے۔

جب کسی موضوع پر آپ کی رائے جم جائے، تو آپ اس کا اجمالی خاکہ یا Synopsis تیار کرلیں۔ اس میں یہ ذکر ہونا چاہیے کہ بحیثیت مجموعی آپ کہنا کیا چاہتے ہیں اور یہ کہ اس موضوع کی کیا اہمیت ہے، اس سے پہلے اس موضوع پر کام ہوا ہے یا نہیں۔ اگر ہو چکا ہے تو آپ کا کام اِس سے کس طرح مختلف ہے۔ اس اجمالی خاکے کے ساتھ بعض اہم کتابوں کی فہرست بھی ساتھ میں لگا دیں جن کو بحیثیت مآخذ آپ استعمال کریں گے۔ اب اس خاکے کو نگرانِ مقالہ یعنی سپروائزر کی توثیق و موافقت کے بعد یونی ورسٹی میں رجسٹریشن کے لیے پیش کر دیں۔

اپنے موضوعِ تحقیق کا خاکہ رجسٹریشن کرانے کے وقت مناسب ہے کہ اسے بہت متعین اور پابند نہ کریں بلکہ اسے ایسا رکھیں کہ بعد میں اس میں کمی، بیشی، اور ترمیم کی گنجایش ہو اس لیے کہ دورانِ تحقیق بہت سی نئی راہیں کھلیں گی اور نئی باتیں سامنے آئیں گی۔ اُس وقت آپ مزید دقّتِ نظر اور پختہ کاری سے اپنا موضوع متعین کرسکیں گے۔

اِن ابتدائی مراحل سے گزرنے کے بعد، جب کہ فطری طور پر آپ نے کچھ مزید کتابیں پڑھ لی ہوں گی، کچھ اور معلومات حاصل کر لی ہوں گی، آپ اپنے

سپروائزر کی سرپرستی اور مشورے سے موضوع کو اور زیادہ باریک بینی اور دقّتِ نظر کے ساتھ متعین و محدود کریں۔ مناسب سمجھیں تو اِس دوسرے مرحلے میں سپروائزر کی موافقت، مشورے اور متعلقہ یونی ورسٹی کے اصول و ضوابط کی روشنی میں آپ موضوع کو بدل سکتے ہیں یا اس میں مناسب ترمیم و تغییر کر سکتے ہیں۔

موضوعات کی ترمیم و تغییر کے مسئلہ میں عام طور پر یونی ورسٹیاں ممانعت نہیں کرتی ہیں، بہ شرطے کہ سپروائزر اس ترمیم سے متفق ہو اور نیا موضوع اُس مخصوص شعبہ کے دائرہ سے خارج نہ ہو۔ یورپین یونیورسٹیوں کے اساتذہ موضوعات کی ترمیم و تبدیلی وغیرہ میں نہایت وسیع اختیارات رکھتے ہیں اور اُن کی رائے پر ہمیشہ عمل کیا جاتا ہے۔ افسوس ہے کہ ہماری مشرقی جامعات میں ابھی یہ بات پیدا نہیں ہو سکی ہے۔ ہماری مشرقی جامعات اپنے رسمی اور فرسودہ ڈھروں کی قید سے اب تک آزاد نہ ہو سکیں ہیں۔

موضوع کی تعیین کے بعد آپ تحقیق اور ریسرچ کے لیے مواد اور وسائل کی تلاش میں سرگرم ہو جائیں۔ جب آپ ذرا گہرائی میں اتریں گے تو تجربہ ہوگا کہ موضوع سے متعلق بعض فروعی باتیں، یا پس منظر وغیرہ سے متعلق آپ کی معلومات سطحی ہیں۔ اس کمی کو دور کرنے کے دو طریقے ہیں۔ پہلا طریقہ تجاہل کا ہے یعنی آپ اپنی اُن سطحی معلومات اور تحقیقات سے تجاہل برتتے ہوئے فنی مہارت کے ذریعہ اپنا عیب پوشیدہ رکھیں۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ثانوی درجے کے مآخذ کی طرف رجوع کریں اور مناسب و مفید معلومات وہاں سے لے کر اس نقص کو دور کریں۔ اِسی دوسری صورت میں تحقیق نئی معلومات

کے اضافے سے مالا مال ہو کر گراں قدر ہو گی۔ اور پہلی صورت میں، یعنی تجاہل اور فنی مہارت سے تلافی، تو یہ طریقہ پایانِ کار آپ کے لیے مشکلات و مسائل پیدا کرے گا۔ یا تو خود سپروائزر کے ہاتھوں یا بالآخر ممتحن حضرات کے ذریعے۔ مختصر یہ کہ دوسرا طریقہ ہی آپ کے لیے مفید و نافع ہے۔

اس سلسلے میں ایک نہایت اہم مشورہ جسے ہرگز فراموش نہ کریں یہ ہے کہ ثانوی مآخذ کے مطالعہ میں اتنا اور ایسا گم نہ ہو جائیں کہ گزرتے وقت کی خبر ہی نہ رہے۔ اِن مخصوص حالات میں اِسے تضییع اوقات کہا جائے گا۔ اس لیے کہ یونیورسٹیوں میں تحقیقاتی کام کے لیے مدّت کم و بیش ہر جگہ متعین ہوتی ہے اور آپ کو ایک متعینہ مدت میں اپنا کام پورا کرنا ہے۔ اس حالت میں اگر آپ اِن ثانوی مآخذ کے مطالعہ میں کھو گئے تو جاگنے کے بعد معلوم ہو گا کہ وقت ہاتھ سے نکل چکا ہے۔ اس لیے ثانوی مآخذ کے مطالعہ میں اعتدال کی رعایت نہایت ضروری ہے۔

اسی لیے یہ لازم ہے کہ ثانوی مآخذ کے مطالعہ کے لیے آپ کوئی مدت اپنی طرف سے متعین کر لیں اور اس کے بعد صرف بنیادی مآخذ پر توجہ مبذول کریں۔ ثانوی مآخذ کے مطالعہ کے دوران اگر آپ کے دماغ میں یہ خیال آئے کہ آپ ان نتائج تک نہیں پہنچ سکتے جہاں پہنچنا چاہتے ہیں، یعنی جس کی آپ نے پلاننگ کی ہے۔ ایسی صورت میں ضروری ہے کہ ثانوی مآخذ کو خیرباد کہہ کر فوراً بنیادی مآخذ کی طرف رجوع کیا جائے ورنہ آپ کے موضوع کا صحیح تصور، جو آپ کا مقصد ہے، اُلجھ کر رہ جائے گا۔

رائے ہمیشہ بنیادی مآخذ کی روشنی میں قائم کرنی چاہیے۔ ثانوی مآخذ

محض معاون ہوتے ہیں ۔ بہرحال اس اوّلین و ثانوی مآخذ کی کوچہ گردی کے بعد اب آپ کو چاہیے کہ جن نتائج تک آپ پہنچے ہیں اُنھیں قلم بند کرنا شروع کردیں ۔ آپ کی فکر کو مزید واضح کرنے اور صحیح رُخ دینے میں یہ عمل معاون ہوگا ۔ خیالات کا قلم بند کرنا ہی وہ عمل ہے جو ذہنوں میں منتشر افکار و خیالات کو واضح کرکے ایک مرکزی حیثیت عطا کرتا ہے ۔ ذہن میں بکھرے ہوئے افکار و خیالات کو جب آپ کاغذ پر لائیں گے تو وہ کمی اور عیوب سامنے آئیں گے جو اب تک واضح نہ ہو سکے تھے کیوں کہ افکار کی تعیین اور قطعیت لکھنے کے بعد ہی سامنے آتی ہے ۔ لکھنے سے یہ فائدہ ہوگا کہ آپ اِن نقائص و عیوب کو دُور کرنے کی کوشش کریں گے ۔

یہاں اس اہم و قابل ذکر امر کی طرف آپ کو متوجہ کرنا مناسب ہوگا کہ تھیسس اور تحقیقی مقالات بالعموم تمام یونی ورسٹیوں میں اکثر سالہا سال تک مکمل نہیں ہوتے اور طول پکڑتے جاتے ہیں ۔ اس میں مشرقی و مغربی جامعات کا کوئی امتیاز نہیں ۔ ہر جگہ یہ مرض عام ہے ۔ اس کا سبب کبھی تو سپروائزر حضرات کی غفلت شعاری ہوتی ہے ۔ ریسرچ اسکالر اُنھیں جو کچھ لکھ کر دیتا ہے اُسے دیکھنے کی اُن کو فرصت ہی نہیں ہوتی ۔ اس طرح کام آگے نہیں بڑھتا ۔ اور کبھی خود ریسرچ اسکالر اس کا ذمہ دار ہوتا ہے ۔ وہ اپنے اصل مقصد، یعنی بحث و تحقیق پر ارتکاز و توجہ کے بجائے دوسرے کاموں میں وقت صرف کرنا شروع کر دیتا ہے ۔ ایم اے اور پی ایچ ڈی تک پہنچتے پہنچتے یہ وبا عام ہو جاتی ہے ۔ نتیجہ وہی ہوتا ہے جو ایسی صورت حال میں ہونا چاہیے ۔

آپ کا کام صرف یہ نہیں ہے کہ مقالہ تیار کرلیں اور اس میں کامیاب ہوجائیں۔ بلکہ اہمیت اس کی بھی ہے کہ متعین و محدود وقت جو اس کام کے لیے دیا گیا ہے آپ اپنا کام اسی مدت میں مکمل کرلیں۔ اس کے لیے آپ کو اپنے اوقات کا باقاعدہ نظام بنانا ہوگا۔ مثلاً آپ یہ بات طے کرلیں کہ تھیسس کا پہلا باب اتنے دنوں میں، دوسرا باب اتنے دنوں میں لکھ کر مکمل کرنا ہے۔ اسی وقتی تحدید اور نظام عمل سے کام بروقت مکمل ہوگا۔ اس میں کامیاب ہونے کے لیے آپ ایک معقول اور قابل عمل نظام اوقات بنائیں جس میں مختلف ابواب کی تکمیل کی مدت متعین ہو۔ آپ اس لائحہ عمل پر عمل پیرا بھی ہوں اور امکانی کوشش کریں کہ متعین وقت میں متعین کام پورا بھی ہوجائے۔

تحقیقی مقالات کی امتیازی خصوصیات

تحقیقی مقالات کی تین خصوصیات ہوتی ہیں، جن کے بغیر کوئی تحقیقی کام مکمل نہیں ہوسکتا، اور وہ تین[۳] یہ ہیں :

اوّل : قطعیت (accuracy) یعنی مندرجات کی انتہائی صحت کا اہتمام۔

دوسرے : وضاحت (clarity) ۔ جب تک ذہن میں کوئی خیال واضح اور پختہ نہ ہو، کاغذ پر بھی وہ فکری پراگندگی کا مظہر ہوگا۔ اس لیے فکر و خیال نہایت واضح اور قطعی ہونے چاہئیں۔ جب تک آپ خود نہ سمجھیں کہ آپ کہنا کیا چاہتے ہیں، دوسرا کیا سمجھ سکے گا۔

تیسرے : یکسانیت (consistency) یعنی جو اسلوب اور طریقۂ تحقیق

آپ نے اپنایا ہے شروع سے آخر تک اُس سے ذرا بھی انحراف نہ ہو۔

مذکورہ خصوصیات میں سب سے اہم بات صحت کا انتہائی اہتمام ہے۔ تحقیق کا پہلا قدم یہ ہے کہ جو موضوع بالآخر آپ متعین کریں وہ نہایت واضح اور پوری طرح سے متعین ہو اور امکانی حد تک ایک دائرے میں سمٹا ہوا ہو۔ فکری انتشار اور غیر محدودیت سے امکانی حد تک بچیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ ایسے موضوعات سے گریز کریں جن کی ماہیت پوری طرح واضح نہ ہو یا اُن کا تعلق لامحدود و غیر متعین زمانے سے ہو۔ اسی طرح ہم عصر شخصیات اور ایسے معاصر حالات و واقعات کو موضوعِ بحث بنانا درست نہیں ہے جن کے خدوخال پوری طرح واضح نہیں ہوئے ہیں۔

یہ نکتہ بھی مدنظر رہنا چاہیے کہ کوئی ایسا موضوع بعینہٖ برائے تحقیق اختیار نہ کریں جس پر بسط و تفصیل سے پہلے کام ہو چکا ہے، مثلاً:

Saeedullah, *Life and works of Nawab Siddiq Hasan Khan of Bhopal* (Lahore 1973)

جیسی معتبر اور جامع تصنیف کے ہوتے ہوئے مناسب نہیں کہ اس موضوع پر مزید عمومی نوعیت کا کام کیا جائے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اگر کوئی محقق اس پر کوئی اضافہ کر سکتا ہو، کوئی نئی بات اس موضوع سے متعلق پیش کر سکتا ہو یا کسی ایسے گوشے پر روشنی ڈال سکتا ہو جو مذکورہ تصنیف میں نہیں ہے تو اُسے ضرور اس موضوع کو اپنانا چاہیے۔ مثلاً کوئی تازہ مخطوطہ دریافت ہو گیا ہو یا کوئی تحریری دستاویز وغیرہ ہاتھ آگئی جو اب تک معلوم نہ تھی۔ اس صورت میں نفس موضوع پر کام کرنا یقیناً

مناسب اور نفع بخش ہوگا۔

علمی تحقیقات معلومات کے انبار کا نام نہیں ہے

مناسب نہیں کہ جس موضوع پر آپ کام کر رہے ہیں اس سے متعلق صرف معلومات فراہم کر کے ایک جگہ جمع کر دیں اور خود کو اپنی ذمہ داریوں سے سبکدوش سمجھ لیں۔ رِیسرچ کے لیے ضروری ہے کہ ان خام مواد یعنی جمع شدہ معلومات کا تجزیہ کیا جائے۔ تحلیل و نقد کے عمل کے بغیر تحقیق کا حق ادا نہ ہوگا۔ متقدمین علمائے اسلام میں اکثر کا طرز تحریر یہی رہا ہے اور آج بھی اُن کے اسلوب اور طرز عمل کی تقلید کرنے والے بہت سے لوگ ہمارے درمیان موجود ہیں۔ ان معاصرین کی تصنیفات کی قدر و قیمت کے اعتراف کے باوجود تحقیقی حیثیت سے اِن کی اہمیت مسلم نہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ حتی الامکان جمع شدہ معلومات کو تحلیلی و تجزیاتی مرحلوں سے گزاریں۔ واقعات و احداث کی ظاہری صورت کو اُن کے پس منظر میں سمجھنے کی کوشش کریں تاکہ پس منظر کی روشنی میں تاریخی واقعات و حوادث کے اصل اسباب صحیح طور پر آپ پیش کر سکیں۔

حقائق و واقعات کو تسلسل کے ساتھ قلم بند کر دینا بھی کافی نہیں۔ بلکہ اُن واقعات و حوادث کے اسباب اور اُن کے پس منظر، جو ان واقعات و احداث کے موجد ہیں، کا مطالعہ اور اُن پر روشنی ڈالنا بھی از حد ضروری ہے۔ یہ اسباب اجتماعی، ثقافتی، دینی، سیاسی اور ماحولیاتی ہر طرح کے ہوں گے۔ اس لیے ہر ایک کا مطالعہ اور تجزیہ اور اُن پر بحث ضروری ہے

اسی طرح اگر آپ کسی ادبی موضوع پر کام کر رہے ہیں تو متعلقہ ادبی موضوع کی قدر و قیمت متعین کرنے کے لیے آپ اُن تمام ادبی رُجحانات اور قدیم و جدید مکاتب فکر اور دیگر اسباب و عوامل، جن سے ادیب متاثر ہے، کا جائزہ لیں اور رائے قائم کریں۔ اسی طرح اس سلسلے میں اب تک جو کوششیں ہوئی ہیں اُن کا ذکر اور جائزہ بھی ناگزیر ہے۔

تحقیق کا دائرہ کار یہیں ختم نہیں ہوتا بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ جس کام پر تحقیق کی جا رہی ہے اس کے بارے میں بتایا جائے کہ آیا یہ کام نیا اور نادر ہے یا کہ دوسروں کی نقل و تقلید ہے۔ مزید یہ کہ دیگر معاصرین ادباء و فقہاء نے اسے کس نظر سے دیکھا ہے۔ کیا زیرِ بحث تصنیف کسی عظیم شخصیت یا حاکم کے ایماء پر لکھی گئی ہے؟ اور ان سب کے بعد دیکھنا یہ ہے کہ آیا زیرِ بحث تصنیف اپنے دور اور معاشرہ کی سچی تصویر کشی میں کامیاب ہے یا نہیں، جس میں آپ کے موضوع بحث ادیب نے آنکھیں کھولیں اور تحقیقات کیں۔

واضح تناقض ہونے کی صورت میں توفیق و تلفیق کے بجائے اصل حقیقت تک پہنچنے کی کوشش کریں اس لیے کہ حقیقت عموماً ایک ہی ہوا کرتی ہے۔

معقولات مثلاً قانون و فلسفہ اور دینیات وغیرہ کے مطالعہ و تحقیق کے دوران محقق کے لیے ضروری ہے کہ فکری اور دینی رجحانات کے ارتقاء کا جائزہ لے۔ اسی طرح مختلف دینی اور عقلی جماعتوں کے افکار و نظریات کے ارتقاء کا جائزہ لے اور ساتھ ہی یہ بھی دیکھے کہ یہ افکار و معتقدات تازہ پیدا وار ہیں یا کہ اِن کا سلسلہ کسی معاصر یا سابق جماعت کے نظریات

سے ملتا ہے۔ پھر یہ بات بھی تحقیق طلب ہے کہ اِن نظریات و معتقدات کے پس منظر میں خارجی اسباب کا دخل کہاں تک ہے۔ اور اس مکتبِ فکر نے اسلامی ثقافت و فکر کے ارتقاء میں کیا حصّہ لیا ہے۔ یہ تمام باتیں آپ کی تحقیق کا جزء ہیں۔

علمی تحقیق کی حدود

تحقیقی موضوعات خواہ اُن کا تعلق شخصیات سے ہو یا تحریکات و مسائل سے، ادبی موضوع ہو یا تاریخی یا کوئی اور، اس کی ابتداء کرتے ہوئے اِس بات کا خیال رکھیے کہ شملہ بقدرِ دستار ہی رہے۔ بنیاد اسی مناسبت سے ہو جتنی دیوار لے جانی ہے۔ سلسلۂ واقعات جوڑنے کے لیے کسی واقعہ یا موضوع کو ابتداء آفرینش تک جا پہنچانا حماقت ہے۔ آپ اپنے موضوع کے دائرے میں رہتے ہوئے ضروری باتوں اور متعلقات پر مرتکز رہیں۔ پس منظر پر مختصر سی روشنی ڈالتے ہوئے آگے بڑھ جائیں اور حاشیہ میں پس منظر سے متعلق کچھ ایسی اہم کتابوں کا ذکر کر دیں جو متعلقہ بحث سے پہلے کے زمان و مکان اور حالات و حوادث کی تفصیل پر مشتمل ہو۔ جسے دیکھنا ہوگا، ان کتابوں کو دیکھ کر ماسبق کی تفصیل جان لے گا۔ مثلاً اگر آپ مسئلہ فلسطین پر ۱۹۱۸ء یعنی برطانیہ کے فلسطین پر جارحانہ قبضہ کی تاریخ سے ۱۹۳۵ء تک کی مدّت کو زیرِ بحث لا رہے ہیں، یعنی فلسطین کو یہودی اسٹیٹ بنانے کے برطانوی منصوبہ کے خلاف عرب تحریک تک جسے تاریخ میں "عظیم عرب انقلاب" الثورة العربية الكبرى کے نام سے جانا جاتا ہے۔

اگر آپ اس درمیانی مدت (۱۹۱۸ — ۱۹۳۵ء) کی تاریخ فلسطین پر کام کر رہے ہیں تو مختصراً ۱۹۱۸ء سے پہلے کی تاریخ بطور تمہید چند صفحات میں لکھ دیجیے حاشیہ میں اس موضوع سے متعلق کچھ اہم کتابوں کا ذکر کر دیں، جسے مزید تفصیل دیکھنی ہوگی وہاں دیکھ لے گا۔ اس کے برعکس اگر آپ نے اس موضوع کو ابتدائے تاریخ فلسطین، بنی کنعان اور بنی اسرائیل کے دور سے شروع کیا تو یہ بڑی غلطی ہوگی۔ میں خود اس غلطی کا شکار ہو چکا ہوں۔ قاہرہ یونی ورسٹی میں ایم۔ اے کے تحقیقی مقالے کے لیے جب میں نے مذکورہ موضوع کا رجسٹریشن کرایا تو تاریخ فلسطین کے مختلف تاریخی پہلو کے درمیان میری تحقیق بھٹکتی رہی، کیوں کہ مجھے اچھی رہنمائی دستیاب نہ تھی۔ یوں میری عمر کے دو سال بلکہ کچھ زیادہ ہی برباد ہوئے، حالاں کہ میرے نگرانِ مقالہ (پروفیسر ضیاء الدین الریس مرحوم) کا شمار ممتاز علمی شخصیات میں تھا۔ پھر کسی وجہ سے یونی ورسٹی نے میرا سپروائزر تبدیل کیا تو نئے سپروائزر (پروفیسر ابراہیم العدوی) نے میرے مقالے پر نظر ثانی کی، طریقۂ تحقیق کا مطالعہ کیا اور پھر غیر متعلق باتوں کو یکسر قلم زد کر دیا۔ اس سرگردانی اور اُلٹ پھیر کا نتیجہ کم از کم یہ رہا کہ میرے مقالے سے نکالے گئے حصے دو مستقل کتابوں کی شکل میں شائع ہوئے۔ ایک: التلمود - تاریخه وتعالیمه (بیروت ۱۹۷۱ء) اور دوسری: تاریخ فلسطین القدیم (بیروت ۱۹۷۳ء)۔ لیکن اس کے ساتھ میری علمی زندگی کے کئی سال ضائع بھی ہوئے۔ اور یہ صرف اس لاسمتی کی وجہ سے ہوئے جو ابتداءً ہوئی۔

اس کی ایک مثال عظیم ہندوستانی سیاسی رہنما محمد علی جوہر[۲]

ہیں۔ برطانوی تسلّط کے زمانے میں وہ ۱۹۲۱ء میں قید کرکے جیل میں ڈال دیے گئے۔ یہاں انھوں نے اپنی خود نوشت سوانح لکھنی شروع کی لیکن اپنی سوانح عمری سے زیادہ اسلام اور قرآن کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالنی شروع کردی اور یوں اگست ۱۹۲۳ء میں جیل سے رہائی ہوگئی۔ سیاسی سرگرمیوں نے باہر آکر اُنھیں اتنی فرصت نہ دی کہ وہ اس گراں قدر کام کو انجام تک پہنچا سکتے۔ اسی دوران ۴ جنوری ۱۹۳۱ء کو اُن کی وفات ہوگئی اور بیت المقدس میں مسجد اقصیٰ کی آغوش میں مدفون ہوئے۔ اُن کی وصیت تھی کہ اُنھیں ان کے غلام ملک میں دفن نہ کیا جائے۔ بہر حال مولانا کی سیاسی زندگی اور اُس عہد کے تاریخی رازہائے سربستہ کے ایک نہایت اہم ماخذ سے ہم محروم ہوگئے۔ وہ عہد جس میں مولانا کی حیثیت بھرپور تھی مولانا کی یہ خود نوشت سوانح لاہور سے ۱۹۴۲ء میں *My life: a fragment* کے نام سے شائع ہوچکی ہے۔

اس لیے کسی موضوع کے پس منظر کو زیادہ طول دینا مناسب نہیں۔ موضوع بحث خواہ شخصیات سے متعلق ہو یا کچھ اور۔ ہاں اگر بات اُلجھی ہوئی ہو اور وضاحت ضروری ہو اور اس سے قبل اس پر کسی نے کچھ لکھا بھی نہ ہو پھر تو مناسب تفصیل تطویل نہیں ہوگی بلکہ ضرورت ہوگی۔

تاریخی موضوعات

تاریخی موضوعات پر تحقیق کے لیے ضروری ہے کہ پہلے اُس عصر کو بحیثیت مجموعی سمجھنے کی کوشش کی جائے۔ اس عہد کی سیاسی تنظیمیں، عوامی تحریکیں،

دینی، مذہبی، نسلی اسباب و عوامل جنھوں نے اُس مخصوص زمانے کی تشکیل کی ہے - ان سب پر نظر رکھنا اور اس کا تجزیہ کرنا ضروری ہے۔

عربی ادب اور اسلامی تاریخ کے مآخذ عموماً امراء و سلاطین کے حالات پر توجہ مرکوز رکھتے ہیں۔ عوامی زندگی کا پتہ ان سے بہت کم ملتا ہے متاخرین نے اس کمی کو ایک حد تک پورا کرنے کی کوشش کی ہے اور عہد ماضی کی عوامی زندگی اور ان کے اجتماعی حالات قلم بند کیے ہیں۔ اس طرح کی کوششوں میں مذکورہ ذیل قابلِ ذکر ہیں:

— پروفیسر بوزورتھ کی تصنیف:

C.E. Bosworth, *The Mediaeval Islamic underworld*

— حياة ناصر الحجي کی تصنیف: "عہد ممالیک میں عوامی زندگی ۶۷۸ھ - ۸۷۴ھ / ۱۲۷۹ - ۱۳۸۲ء تک"

أحوال العامة فى حكم المماليك ٦٧٨-٨٧٤ | ١٢٧٩ - ١٣٨٢

— محمد رجب النجار کی تصنیف: "(عرب) وراثت میں چالبازوں اور عیاروں کی کہانیاں"

حكايات الشطار والعيارين فى التراث

اور سا باری کی کتاب: "عہد عباسی کے بغداد میں عوامی تحریکات نویں سے گیارہویں صدی تک"

S. Sabari, *Mouvements populaires à Bagdad à l'epoque ᶜabbasside, IXe-XIe siecles*

ڈاکٹر صلاح الدین المنجد نے اسی موضوع پر الصعاليك و العيارون تصنیف

کی ہے اور ڈاکٹر یوسف خُلیف نے بھی اس موضوع پر کام کیا ہے۔

مسلمان ہی فن تاریخ کے قائد اور امام ہیں۔ ابتدا ہی سے مسلمانوں نے تاریخ کی منظم طریقہ پر تدوین کی اور اسے باضابطہ فن کی حیثیت دی۔ چنانچہ انساب، تاریخ و سیر، قبائل، شہروں اور ملکوں وغیرہ کی تاریخ منظم طور پر لکھی۔ ابن خلدون نے اپنا شہرۂ آفاق تاریخ کا مقدمہ لکھ کر تاریخ میں ایک مستقل مکتب فکر قائم کر دیا۔ ان کی کتاب کا اصل نام کتاب العبر و دیوان المبتدأ والخبر ہے جو پہلی بار مصر کے مطبع بولاق سے ۱۲۸۴ھ میں زیور طباعت سے آراستہ ہوئی۔ اسی کتاب کا جزء اوّل مقدمہ ابن خلدون کے نام سے مشہور ہے۔ اس کے متعدد ایڈیشن نکل چکے ہیں اور دنیا کی اہم زبانوں میں اس کا ترجمہ ہو چکا ہے۔

محمد بن عبد الرحمٰن السخاوی (متوفی ۹۰۲ھ / ۱۴۹۶ء) نے "فن تاریخ" کی حمایت و مدافعت میں ایک مستقل تصنیف لکھی ہے، جسے الإعلان بالتوبیخ لمن ذم التاریخ کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اس کتاب میں تاریخ نویسی کے اصول و قواعد سے غفلت یا ناواقفیت کی بنا پر مورّخین سے جو غلطیاں ہو جاتی ہیں، ان کی نشاندہی کی گئی ہے۔ آیندہ صفحات میں ہم اسلامی تاریخ کا جائزہ مزید تفصیل سے لیں گے۔

وہ محققین جو فن تاریخ میں دلچسپی رکھتے ہوں اور اس پر کچھ کام کرنا چاہتے ہوں، اُنھیں چاہیے کہ وہ کولنگوڈ R.G. Collingwood کی تصنیف *The Idea of history* کا مطالعہ کریں، جس کا عربی ترجمہ محمد بکر خلیل نے کیا ہے۔ اسی طرح آر۔ سی۔ ڈنٹن کی کتاب

R.C. Denton (ed.), *The Idea of history in the ancient world*

کا مطالعہ بھی ناگزیر ہے ۔ اس کتاب میں ہے ۔ اوبرمان J. Obermann کا تاریخ نویسی اور زمانہ قبل از تاریخ کے اساطیری واقعات کی تدوین میں عربوں کے تصورات اور فکر و فن پر ایک مبسوط مضمون شامل ہے ۔ ایک اور کتاب کلارک کی تصنیف "تاریخی موضوعات پر کام کرنے والے طلبہ و محققین کی رہنما" ہے :

G. Kitson Clark, *Guide for research students working on historical subjects* (Cambridge 1969)

مزید ایک کتاب گارڈینر کی تصنیف "تاریخی تشریحات کی نوعیت" ہے:

Patrick Gardiner, *The Nature of historical explanation* (Oxford U.P. , 1962)

اے ۔ زیڈ ۔ وی طوقان A.Z.V.Togan کی تصنیف *Tarihde Usul* بھی اس سلسلے میں مفید ہے ۔

آخر الذکر کتاب میں تاریخ اسلامی کے اولین اور ثانوی مآخذ کی ایک تفصیلی کتابیات شامل ہے ۔ اسی طرح حسن عثمان کی عربی تصنیف منهج البحث التاريخي (تاریخی تحقیقات کا طریقۂ کار) ہے ۔ جس کا دوسرا ایڈیشن قاہرہ سے ۱۹۷۸ء میں شائع ہوا ہے ۔ اس سلسلے کی دوسری کتابوں میں مندرجہ ذیل تصنیفات شامل ہیں :

- اسد رستم کی مصطلح التاریخ ؛
- فتحیۃ النبراوی کی المنهج فی کتابة التاریخ و السیاسة ؛
- عبد العزیز الدّوری کی کتاب نشأة علم التاریخ عند المسلمین یعنی "مسلمانوں میں فن تاریخ کا ارتقاء" ؛
- علی ابراہیم حسن کی استخدام المصادر وطرق البحث فی التاریخ المصری یعنی مصر کی تاریخ نویسی میں مآخذ کا استعمال اور طرز تحقیق و تجزیہ (مطبوعہ قاہرہ)؛
- فرانز روزنتھال F. Rosenthal کی علم التاریخ عند المسلمین جو کہ اُن کی اصل کتاب *A History of Muslim historiography* (Leiden 1952) کا صالح احمد العلی کے قلم سے ترجمہ ہے۔ یہ عربی ترجمہ بغداد سے ۱۹۶۳ء میں شائع ہوا۔

نیز لوئیس اور ہولٹ کی کتاب "مشرق اوسط کے مورخین"

Bernard Lewis and P.M. Holt, *Historians of the Middle East* (Oxford 1962).

میں نے یہ چند کتابیں بطور مثال ذکر کی ہیں، احاطہ مقصود نہیں۔ ان کتابوں کا مطالعہ تاریخی تحقیقات و بحث کے لیے مفید ثابت ہوگا۔

نئے ادبی رجحانات

عربی ادب سے متعلق تحقیق و بحث میں حصّہ لینے والوں کے لیے ضروری ہے کہ عالم عرب اور عالمی سطح پر ادبی رجحانات و نظریات سے واقف

رہیں ۔ جدید ادبی مدارسِ فکر اور نئے رجحانات کا مطالعہ بالفعل کریں اور اس اصول کو سامنے رکھیں کہ کام کی بات لے لی جائے اور ناکارہ چیز سے یوں ہی گزر جائیں یعنی "خُذْ ما صفا و دَعْ ما کدر" ۔

اس مناسبت سے یہاں یہ ذکر بے جا نہ ہوگا کہ پچھلے چند دہوں میں نقد ادب کا ایک جدید مکتبِ فکر ظاہر ہوا ہے، جسے ہیکلیت Structuralism کے نام سے جانا جاتا ہے ۔ اس مکتب فکر کا بانی فرانسیسی مصنّف کلود لیوی شتراؤس ہے جس نے اپنی مشہور کتاب *Les Structures élémentaires de la parenté* (مطبوعہ ۱۹۴۹ء) میں یہ نظریہ پیش کیا کہ کسی بھی زبان کو سیکھنے یا سمجھنے کے لیے قواعد و اصول کے مطالعے کے بجائے اس زبان کے ہیکلی نظام کے امتیازات کا مطالعہ کیا جائے ۔ اس نظریہ کے تحت کسی زبان کی ساخت میں کیا کیا بنیادی ڈھانچہ Structure ہے، پر غور کرتے ہیں ۔ اِس نظریہ کو یورپ میں بہت فروغ ہوا اور اس کے ہم خیال مفکرین کا دعویٰ ہے کہ دنیا کی تمام زبانوں پر اِس اصول کا تجزیاتی عمل و تجربہ کیا جاسکتا ہے[۳]۔ امریکہ، فرانس اور برطانیہ میں یہ نظریۂ نقد بالخصوص ترقی پذیر اور مقبول ہے ۔ بعض عرب نقادوں نے بھی اسے اپنایا ہے مثلاً کمال ابو دیب، جنھوں نے اس نظریہ کا تجربہ عربی زبان پر کیا ۔

اور اب اس سے ایک قدم آگے نظریہ مابعد ہیکلیت Post-structuralism سامنے آچکا ہے ۔ فنون ادبیہ پر تحقیق و بحث کرنے والوں کے لیے اِن نئے رجحانات کا جاننا ضروری ہے ۔

آسان زبان کا استعمال

مقالہ لکھتے ہوئے اس بات کو ہمیشہ یاد رکھیں کہ آپ کی زبان عام قاری سمجھ سکے۔ اس لیے نہایت صاف، آسان اور شستہ و عام فہم زبان کا استعمال کریں۔ زبان کی اکھاڑے بازی اور شعبدہ گری کا زمانہ اب نہیں رہا۔ اسی طرح مسجع و مقفع عبارتیں لکھنا بھی اب زیبا نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آج کا زمانہ پوری وضاحت کے ساتھ اپنے نظریات و خیالات کے ابلاغ و تفہیم کا ہے۔ پہلے ایسا نہ تھا، بلکہ ادیب کی توجہ افکار و معانی کے ابلاغ کے بجائے عبارت آرائی، صنائع و بدائع کے استعمال اور بھاری بھرکم الفاظ استعمال کرنے پر ہوا کرتی تھی۔ افسوس ہے کہ عربی ادب آج بھی اس بوجھل قید سے پوری طرح آزاد نہ ہو سکا ہے۔ الفاظ و تراکیب اور نحو و صرف کی شاہراہ کو پُل صراط بنا لینے کا اہتمام اور بعض ادیبوں کے یہاں الفاظ کے انتخاب پر حد اعتدال سے تجاوز پر اب بھی اصرار ہے۔ دُور از کار تراکیب اور بے محل بھاری بھرکم الفاظ کے استعمال سے پرہیز لازم ہے۔ صاف اور واضح و سلیس الفاظ استعمال کریں تاکہ آپ کی بات قاری بآسانی سمجھ لے۔ مغربی مصنفین اس اسلوبی مصیبت سے نجات پا چکے ہیں۔

شہنشاہ اکبر اعظم کی مجلس اراکین کا رکن اعظم فیضی بن ملّا مبارک (متوفی ۱۰۰۴/۱۵۹۵ء) اپنے عہد کا ممتاز عالم و شاعر اور ادیب تھا۔ اس نے قرآن کریم کی تفسیر سواطع الالہام کے نام سے لکھی اور اپنی جلالت علم

کے اظہار کے لیے پوری تفسیر صنعت اہمال میں یعنی غیر منقوط حروف میں لکھی۔ کوئی لفظ ایسا استعمال نہیں کیا جس میں کوئی نقطہ والا حرف ہو۔ یہ کیا تھا؟ صرف فنّی بازی گری۔ آج اگر کوئی اس طرح کی بازی گری میں اپنی عمرِ عزیز کے بیشتر اوقات اس لا حاصل عمل میں ضائع کرے تو ہم یہی کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی زندگی کی نعمت عظمیٰ اس شخص نے ایک لایعنی عمل میں ضائع کر دی[4]۔

زبان کو کس حد تک سادہ و سلیس ہونا چاہیے، اس کا تجرباتی معیار یہ ہے کہ اپنی عبارت کی سہولت و سلاست سے اگر آپ مطمئن نہیں ہیں تو ایسا کریں کہ بی۔ اے کے کسی طالب علم کو اپنی تحریر پڑھنے کے لیے دیں کیونکہ عام قاری کی زبان فہمی بالعموم اسی سطح کی ہوتی ہے۔ اگر یہ طالب علم آپ کی زبان بہ آسانی سمجھ لیتا ہے تو ٹھیک ہے ورنہ آپ اپنی عبارت پر نظرِ ثانی کریں اور اسے مزید آسان بنائیں یہاں تک کہ وہ بہ آسانی بغیر کسی ڈکشنری کی مدد کے از خود سمجھ نہ لے۔ اپنی تحریر میں زائد الفاظ اور جملوں کا استعمال نہ کریں۔

ایسے ادیب بھی آپ کو مل جائیں گے جو ایک ہی بات طرح طرح سے دہراتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جس بات کو چند سطروں میں کہہ سکتے تھے اس کے لیے ورق کے ورق سیاہ کر ڈالتے ہیں۔ یہ مناسب نہیں ہے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ تحقیقی بحثوں میں کبھی کبھی علمی و فنی اصطلاحات وغیرہ کا استعمال ناگزیر ہو جاتا ہے، جس سے چارۂ کار نہیں۔ عام قاری ان کے سمجھنے سے قاصر رہتا ہے۔ یہ ایک مجبوری ہے۔ اسے بقدرِ ضرورت ہی استعمال کریں، ورنہ اس طرح کے رموز و اصطلاحات کی کثرت، جو غیر ضروری بھی ہو، آپ

کے مضمون و مقالہ کو گراں بار بنا کر سلاست و روانی کا خون کر دے گی۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ سلاست و روانی ہی وہ جوہر ہیں جو عبارت کو پرکشش بنا کر قاری کو پورا مضمون پڑھنے پر مجبور کرتی ہیں۔ بوجھل اور خشک عبارتیں تھوڑی سی پڑھ کر قاری عموماً اُکتا جاتا ہے۔

آسان زبان استعمال کرنے کے گر کو سیکھنے کے لیے یہاں بطور مثال دو کتابوں کا ذکر کرتا ہوں۔ اگرچہ یہ کتابیں آسان عام فہم انگریزی لکھنے کے موضوع پر ہیں لیکن اصولی طور پر کسی بھی زبان کے قاری و ادیب کے لیے اس کی افادیت کم نہیں۔ ان کتابوں کے نام درج ذیل ہیں:

Ernest Gowers, *Plain words* (London, HMSO);

Arthur Quiller-Couch, *On the art of writing* (Cambridge 1954).

میدان تحقیق میں قدم رکھنے والوں کے لیے کچھ مشورے

اس ضمن میں چند مشورے برادرانہ طور پر آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔ وہ اہل قلم اور بزرگ مصنفین جن کی تصنیفات اعتبار و احترام کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں، اُن پر خواہ مخواہ اعتراض نہ کریں۔ اُن کی نگارشوں میں کیڑے نکالنے کی کوشش نہ کریں۔ الجھنے اور ٹکرانے کا جذبہ اُن لوگوں میں اکثر پایا گیا ہے، جو ابھی ابھی تحقیق کی دنیا میں داخل ہوئے ہیں اور اپنی شخصیت کا اظہار کرنا چاہتے ہیں۔ یہ رویّہ درحقیقت تضییع اوقات و سعی لاحاصل کے سوا کچھ نہیں۔ اسی کے ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ دوسروں کو اس سے

نہ کوئی نفع ہوگا نہ وہ اس سے لطف اندوز ہی ہوں گے۔ آپ اپنی تحریروں میں پوری طرح مثبت اور تعمیری انداز اختیار کریں۔ منفی اور تخریبی اندازِ فکر سے بالکل گریز کریں۔ اس سے کسی اور کو نہیں خود آپ کو نقصان پہنچے گا۔ اس کا مطلب یہی ہوگا کہ بجائے مثبت طور پر سوچنے اور اسلاف کی گرانقدر تحقیقی وعلمی خدمات سے فائدہ اٹھانے کے، آپ کی نگاہیں صرف اُن کی غلطیاں ڈھونڈنے اور پردہ دری کرنے پر جمی رہیں گی۔ جو نگاہیں صرف عیب بینی کی قائل ہیں، اُنھیں بھلائی کیوں کر نظر آئے گی؟ پایانِ کار نتیجہ یہ ہوگا کہ آپ کی شہرت اگر ہوئی بھی تو ایک تخریب پسند ناقد کی حیثیت سے ہوگی، جو باعثِ عزت نہیں ہے۔

اس جملہ معترضہ کے بعد ہم واپس چلتے ہیں، جہاں سے بات شروع کی تھی اور مکرر عرض ہے کہ جب آپ یہاں مذکور تمام ہدایتوں کو ہضم کر چکے ہوں گے اور فنی حیثیت سے بتائی گئی باتوں پر پوری طرح قادر ہو جائیں گے تب بھی آپ دو باتوں پر خصوصی توجہ دیں:

اوّل یہ کہ جمع شدہ مواد و معلومات کی ترتیب میں نظم اور سیاق کا ادراک انتہائی ضروری ہے۔ اپنی معلومات کو ایسی برمحل اور مناسب روانی اور صحیح ترتیب دیں کہ وہ معنویت سے پُر ہو جائیں اور اُس سے واضح نتائج تک پہنچا جا سکے۔

دوسرا نقطہ یہ ہے کہ زبان نہایت شستہ، صاف اور آسان ہو۔ ممکن ہے کہ کچھ مخصوص فنّی اور اختصاصی کتابیں پڑھ کر آپ بھی بوجھل اور ثقیل زبان استعمال کرنے کی طرف مائل ہو جائیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ دشوار فہم

الفاظ کے استعمال سے آپ قاری پر اپنا علمی رعب ڈالنا چاہتے ہوں۔ یہ امکانات عین ممکن الوقوع ہیں۔ لیکن یاد رکھیے کہ آج کے دور میں اہلِ قلم لفظی بازی گری کے چکر سے نکل چکے ہیں۔ عالمی سطح پر یہ طریقہ یکسر متروک ہو چکا ہے۔ اب کم سے کم الفاظ میں سادہ و سلیس عبارت لکھنے کا رواج مقبول عام ہے۔ آج کوئی اہل قلم قبول عام اس وقت تک حاصل نہیں کرسکتا جب تک کہ وہی زبان استعمال نہ کرے جسے عوام اچھی طرح سمجھتے ہوں۔ درحقیقت یہی وہ اسلوب ہے جسے "سہلِ ممتنع" کہا گیا ہے۔ کسی کتاب میں اس کا طریقہ نہیں بتایا جا سکتا۔ اس کا تعلق براہ راست آپ کے اپنے ذوق سلیم سے ہے، جو سب سے پہلے خود اپنا سب سے بڑا اور سب سے فیاض ناقد ہوتا ہے۔ اپنے بڑوں اور اپنے اساتذہ کو اپنی تحریریں دکھائیں۔ وہ بڑی حد تک آپ کی رہنمائی کر سکتے ہیں۔ بلکہ اُن کا فرض منصبی ہے کہ اِس طرح کی تحریری بے راہ روی کی نشاندہی کریں۔ یہ بھی نہ بھولیں کہ کل بہ حیثیت استاذ آپ پر بھی یہی ذمہ داری عائد ہوگی، جب آپ خود اپنے طلبہ کے رسرچ گائڈ اور رہنماے تحقیق ہوں گے۔

---

(۱) سنن ابن ماجة ، كتاب الزهد ، باب الحكمة (١٥)

(۲) مولانا محمد علی موجودہ صدی کے دوسرے دہے میں ہندستان کی تحریک آزادی کے عظیم لیڈر تھے۔ ملاحظہ ہو میرا مضمون "Muhammad cAli" ، انسائیکلوپیڈیا آف اسلام طبع جدید (EI2) لائڈن۔

(۳) مزید تفصیل اور مآخذ کے لیے ملاحظہ ہو:

Alan Bullock and O. Stallybrass, *The Fontana Dictionary of Modern Thought* (London 1979), pp. 607-8.

(۴) علامہ شبلی نے بعینہٖ یہی تبصرہ شعر العجم میں کیا ہے۔ انھوں نے مزید لکھا ہے کہ بہ اعتبار تفسیر اس کتاب کی کوئی اہمیت نہیں۔ افادیت کے لحاظ سے شاہ عبدالقادر صاحب کے بامحاورہ اردو ترجمہ کو اُن ضخیم مجلدات پر چند در چند فوقیت حاصل ہے (ف۔ فاروقی)۔

باب دوم

بنیادی اور ثانوی مآخذ

اب ہم دو بنیادی اصطلاحات " مصدر" اور " مرجع " جنہیں اردو میں "ماخذ" سے تعبیر کرتے ہیں ، کے سلسلے میں عمومی گفتگو کریں گے۔تاکہ "مصدر" یا " ماخذ" کا مفہوم ہم بخوبی سمجھ لیں اور یہ بھی واضح ہو جائے کہ محققین اور طلبہ کو ان کے استعمال میں کن مشکلات سے واسطہ پڑتا ہے ۔ پھر ہم مثال کے طور پر بعض اہم مصادر و مراجع کا ذکر کریں گے، جو اسلامیات اور ادبیات عربی کے تحقیق اور مطالعہ میں استعمال ہوتے ہیں ۔

"مصدر" اور "مرجع" کے درمیان فرق

" ماخذ " کی دو بنیادی قسمیں ہیں ۔ ایک بنیادی یا اولین ماخذ ، دوسرا ثانوی۔ آسانی کے لیے ہم بنیادی ماخذ کے لیے " مصدر" کی اصطلاح استعمال کریں گے اور

ثانوی ماخذ کے لیے "مرجع" کا لفظ۔ لیکن اِن دونوں کے درمیان کوئی متعین حدِ فاصل قائم کرنا، جو انھیں بالکلیہ ایک دوسرے سے ممتاز کر دے مشکل ہے۔

مسئلے کی مزید وضاحت اور تفہیم کے لیے بطور مثال ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ "مصادر" براہ راست چشم دید گواہی یا واقعہ نویسی یا اپنے ذاتی تجربات و واقعات یا اپنے افکار و خیالات کے ریکارڈ کا نام ہے۔ مثلاً سرکاری دستاویزات اور کورٹ کی فائلیں، خطوط اور اسی طرح کے دوسرے کاغذات، ذاتی ڈائری، سفرنامے، واقعات کے معاصر مورخ کی لکھی ہوئی تاریخ اور مخطوطات۔ یہ سب "مصادر" یعنی بنیادی ماخذ کہے جائیں گے۔

"مرجع" یا ثانوی ماخذ کو آپ اپنے مقالے سے قیاس کریں۔ "مرجع" ایک شخص کی ایسی کوششوں کا نتیجہ ہے، جو دوسروں کی تحقیق و بحث اور ان کے فکری نتائج کا مطالعہ کر کے مرتب کیا گیا ہے۔ عام مطبوعہ مقالات اور کتابیں بالعموم "مرجع" میں شمار ہوتے ہیں۔ ماخذ ثانوی یا "مراجع" کے زمرہ کے مواد عام کتب خانوں میں دستیاب ہوتے ہیں۔ لائبریری کارڈ یا فہرست (کٹیلاگ) وغیرہ دیکھ کر اِن ماخذ تک رسائی بہ آسانی ہو جاتی ہے۔ ادبیات و علوم عربی و اسلامی کے "مراجع" کسی بھی معاصر زبان میں ہو سکتے ہیں۔ ان کا عربی میں ہی ہونا کوئی ضروری نہیں۔

مصادر

بحیثیت علمی محقق (اکیڈمک اسکالر) آپ کے لیے ضروری ہے کہ اپنی ریسرچ میں بنیادی طور پر "مصادر" (بنیادی ماخذ) کا استعمال کریں۔ آپ کے ماخذ

جتنے پرانے اور زمانے کے لحاظ سے مسائل و واقعات کے جتنے قریب ہوں گے، اُتنے ہی وہ قیمتی اور قابلِ اعتماد ہوں گے، اور آپ کے مآخذ جتنے ہی نئے ہوں گے اور زمانے کے لحاظ سے مسائل و واقعات سے جتنے دور ہوں گے، اتنے ہی وہ علمی تحقیق کے لیے غیر قیمتی اور ناقابل اعتماد ہوں گے۔ مثال کے طور پر اگر کسی عربی لفظ کی تحقیق مقصود ہے تو اُسے سب سے پہلے قدیم ترین مآخذ میں تلاش کریں بجائے اس کے کہ جدید معاجم و لُغات مثلاً المنجد وغیرہ میں اس لفظ کے معنی دیکھیں۔ ہاں اگر کسی لفظ کا معنوی ارتقاء زیر تحقیق ہے تو لازم ہوگا کہ شروع سے اب تک کی تمام لغات و معاجم کو غور سے دیکھا جائے، اور جہاں جو فرق معلوم ہو اُسے نوٹ کیا جائے، تاکہ معلوم ہو سکے کہ کب اور کس زمانے میں اور کن لوگوں کے معاشرے میں یہ فرق، بلفظ دیگر نئی معنویت، اُس لفظ کو عطا ہوئی۔

ذیل میں ہم کچھ اہم عربی معاجم کا نام لکھتے ہیں جو مطبوعہ شکل میں دستیاب ہیں۔ ترتیب میں ہم نے مؤلفین کی تواریخ وفات ملحوظ رکھی ہیں۔ اس سے عصری ترتیب کا سراغ مل جائے گا (آپ بھی اپنے مقالے میں بنیادی مآخذ کی ترتیب ایسے ہی قائم کریں یعنی عصری ترتیب کی رعایت رکھیں تاکہ اہم اور اہم ترکا امتیاز بہ آسانی ہو سکے):

- الفراهيدي، الخليل بن أحمد (م : ٧٧٦/١٦٠ – ٧٧٧م)، كتاب العين، تحقيق : أنستاس كرملي؛

- أبوزيد الأنصاري (م : ٨٣٠/٢١٥)، كتاب النوادر، تحقيق: سعيد الخوري الشرتوني (بيروت ١٨٩٤)؛ كتاب الهمز، تحقيق: لويس شيخو

(بيروت ١٩١٠) ؛
- ابن دريد (م : ٩٣٣/٣٢١)، كتاب الجمهرة فى اللغة ، تحقيق كرنكو (حيدر آباد الدكن ١٣٥١)؛
- إبن الأنباري (م : ٩٣٨/٣٢٧ - ٩٣٩)، كتاب الأضداد، تحقيق محمد أبو الفضل إبراهيم (الكويت)؛
- الأزهري (م : ٩٨٠/٣٧٠ -٩٨١)، كتاب التهذيب ، تحقيق: عبد السلام محمد هارون (القاهرة)؛
- الجوهري (م : ١٠٠٣/٣٩٣)، الصحاح فى اللغة (القاهرة)؛
- ابن فارس (م : ١٠٠٤/٣٩٥)، معجم مقاييس اللغة (القاهرة ١٩٥١/١٣٧١)؛
- ابن سيْدَه (م : ١٠٦٥/٤٥٨ - ١٠٦٦)، المحكم ، تحقيق : مصطفى السقا و حَسين نصار (القاهرة)؛
- الراغب الأصفهاني (م : ١١٠٨/٥٠٢)، المفردات فى غريب القرآن (بيروت، ب.ت.)؛
- الزمخشري (م : ١١٤٣/٥٣٨ - ١١٤٤)، أساس البلاغة (القاهرة ١٣٤١)؛
- إبن الأثير الجزري (م : ٦٠٦ / ١٢١٠)، النهاية فى غريب الحديث (القاهرة ١٣١١/ ١٨٩٣)؛
- المطرِّزي (م : ٦١٠/ ١٢٣٠)، المغرب فى ترتيب المعرب (حلب ١٩٧٩)؛
- الرازي (م : بعد ١٢٦٨/٦٦٦)، مختار الصحاح (القاهرة ١٩٧٦)؛
- ابن منظور (م : ١٣١١/٧١١)، لسان العرب (بيروت ١٩٥٦)؛
- الفيومي (م : ١٣٦٥/٧٧٠ - ١٣٦٦)، المصباح المنير ، تحقيق:

مصطفى السقا (القاهرة ١٩٥٠)؛

- الفيروزابادي (م : ١٤١٥/٨١٧)، بصائر ذوى التمييز فى لطائف الكتاب العزيز (القاهرة ١٩٧٠)؛ القاموس المحيط (القاهرة ١٩٥٢) ؛

- الزَّبيدي (م : ١٧٩٠/١٢٠٥)، تاج العروس (بنغازی ١٩٦٦).

اسی اصول کو اسلامی تاریخ کے تحقیق و مطالعہ میں بھی زیرِ نظر رکھنا چاہیے۔ مثال کے طور پر اگر ہم اسلامی تاریخ کے ابتدائی عہد پر تحقیق کر رہے ہیں ، تو احمد امین اور احمد شلبی جیسے معاصر مورخین کی نگارشوں کو مدّ نظر نہیں رکھیں گے (ان کے مطالعے سے یہ سمجھنے میں ضرور مدد ملے گی کہ آغاز اسلام کی تاریخ کو آج کا ہم عصر مورخ کس طرح دیکھتا اور سمجھتا ہے۔ ساتھ ہی ان کتابوں کے مطالعے سے آپ کو نفس موضوع پر کچھ اہم مآخذ کا پتہ بھی ملے گا جن سے خود اِن مصنفین نے استفادہ کیا ہوگا)۔ ہاں ، تو بجائے اس کے کہ ہم آج کے معاصر مورخ کی تصنیفات میں اوائل عہد اسلام کی تاریخ تلاش کریں ، ہمیں تاریخ کے قدیم ترین مآخذ کی طرف توجہ کرنی ہوگی۔ یہاں بطور مثال اس طرح کی کچھ کتابوں کا ذکر کیا جاتا ہے (مقصد ایک مثال اور نمونہ پیش کرنا ہے، احاطہ مقصود نہیں ہے):

- خليفة بن خياط العصفري (م : ٨٥٤/٢٤٠)، التاريخ اور الطبقات ؛

- البلاذري (م : نحو ٨٩٢/٢٧٩)، فتوح البلدان ، تحقيق: رضوان محمد رضوان (القاهرة ١٩٣٢)

پہلی بار اِسے ہالینڈ کے مشہور مستشرق ڈِگویہ نے ۱۸۶۶ء میں شائع کیا تھا۔

- ابن أبى طاهر طيفور (م: ٨٩٣/٢٨٠)، تاريخ بغداد

صرف یہی ایک جلد دستیاب ہے۔ یہ عباسی خلیفہ مامون کے عہد کی تاریخ ہے۔
یعنی اس کے بغداد میں داخل ہونے سے ۲۱۸ھ/۸۳۳ء میں اس کی وفات تک کی
تاریخ ہے۔

- الدينوري (م : ٢٨٢/٨٩٥)، الأخبار الطوال ؛
- اليعقوبي (م : ٢٩٢/٩٠٤ – ٩٠٥)، تاريخ اليعقوبي (النجف ١٣٥٨هـ)؛
- الطبري (م : ٣١٠/٩٢٢ – ٩٢٣)، تاريخ الرسل والملوك ؛
- المسعودي (م : ٣٤٦/٩٥٦ – ٩٥٧)، أخبار الزمان و من أباده الحدثان (القاهرة ١٩٣٨)، اور التنبيه والإشراف ، مروج الذهب و معادن الجوهر: تحقیق : محمد محی الدین عبد الحمید (قاہرہ)۔

بعد کے مورخین پر نسبتاً کم اعتماد کرنا چاہیے، مثلاً :
- مسكويه (م : ٤٢١/١٠٣٠) ، تجارب الأمم وتعاقب الهمم تحقیق : آ۔ ف امدروز (۱۹۱۴ء)

یہ تاریخ خلیفہ عضد الدولہ کی وفات (۳۷۲/۹۸۳) پر ختم ہوتی ہے
(سلطنت بویہیہ کی تاریخ سے کچھ پہلے تک)۔
- ابن الجوزي (م : ٥٩٦/١١٩٩ – ١٢٠٠)، المنتظم فى تاريخ الملوك والأمم (حيدر آباد الدكن ١٣٥٩) عہد سلجوقی سے قبل کی تاریخ ہے۔
اس کا نیا ایڈیشن محمد مصطفی عبد القادر عطا کی تحقیق کے ساتھ بیروت سے
۱۹۹۲/۱۴۱۲ میں شائع ہو چکا ہے۔
- ابن الأثير (م : ٦٣٠/١٢٣٣ – ١٢٣٣)، الكامل فى التاريخ (القاهرة ١٣٤٨).

- ابن الطِّقْطَقي (م : ٧٠٩/١٣٠٩)، كتاب الفخري في الآداب السلطانية والدول الإسلامية

(تاتاری حملوں اور خلافت عباسیہ کے ۶۵۶ھ/۱۲۵۸ء میں خلافت عباسیہ کے خاتمے وغیرہ کی تاریخ تفصیل سے بیان کی گئی ہے)۔

- الذهبي (م : ٧٤٠/١٣٣٩ - ١٣٤٠)، كتاب دول الإسلام (حيدر آباد الدكن ١٣٣٧)۔

علامہ سخاوی نے اس تاریخ کو اسی طرز و اسلوب میں لکھ کر مکمل کیا اور ۹۰۱ھ تک کی تاریخ مدون کی۔ اور اس کا نام الذيل التام لدول الإسلام وتاريخ الإسلام و طبقات المشاهير والأعلام (القاهرة ١٣٦٨) رکھا۔ یہ کتاب قاہرہ سے ۱۳۶۸ھ میں شائع ہوئی۔ علامہ ذہبی کی کتاب دول الإسلام عمر عبد السلام تدمری کی تحقیق کے ساتھ دوبارہ بیروت سے ۱۹۸۵ء سے شائع ہو رہی ہے۔

- ابن تُغري بردي (م : ٨١٣/١٤١٠)، النجوم الزاهرة في أخبار ملوك مصر والقاهرة (القاهرة ١٩٢٩)

قاہرہ سے ۱۹۲۹ء میں شائع ہوئی۔

- السيوطي (م : ٩١١/١٥٠٥)، تاريخ الخلفاء ، تحقيق: محمد محيي الدين عبد الحميد (ط: ٤ القاهرة ١٩٦٩)

محمد محی الدین عبد الحمید کی تحقیق کے ساتھ قاہرہ سے ۱۹۶۹ء میں چوتھا ایڈیشن شائع ہوا۔ سیرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت سے شروع ہو کر مصری سلطان قایتبای کے عہد تک کی تاریخ ہے۔ دوسری کتاب

حسن المحاضرۃ فی اخبار مصر والقاہرۃ اُپسالا سے ۱۸۳۵ء میں شائع ہوئی

یہ مصر میں عصر ممالیک (خاندان غلامان) سے قبل کی تاریخ ہے۔ اس کی طبع جدید محمد ابو الفضل ابراہیم کی تحقیق کے ساتھ ۲ جلدوں میں قاہرہ سے ۱۹۶۷ء میں شائع ہو چکی ہے۔

مذکورہ بالا تاریخی کتابوں کی اہمیت اس وقت اور زیادہ ہو جاتی ہے جب وہ اپنے معاصر عہد کی تاریخ نویسی کرتے ہیں (مثلاً سلطنت بویہیہ کے بارے میں مسکویہ کی تاریخی شہادت)۔

بہر حال یہ اصول کہ قدیم ماخذ ہمیشہ جدید ماخذ کے مقابلے میں زیادہ قابل اعتبار ہے، کُلیتہً درست نہیں ہے۔ ہمارے قدیم عربی مصنفین کے متعلق ہر کوئی جانتا ہے کہ ان کی تصنیفات و تالیفات اپنے میدان میں انسائیکلوپیڈیا ہوتی ہیں۔ جسے دیکھیے وہ جلد کی جلد ایک موضوع پر لکھ کر بیٹھا ہوا ہے۔ دراصل اس طرح کی تصنیفات بالعموم اُن ساری معلومات کو ایک جگہ جمع کر دیتی ہیں جو اُس عہد تک کے مؤرخین اور ارباب علم لکھ یا کہہ چکے ہوتے ہیں۔ اِن میں مسلسل ایسی کتابوں کے حوالے اور تذکرے ملتے چلے جاتے ہیں جو آج ناپید ہو چکی ہیں۔ بعد کے آنے والے مصنف و مورخ اکثر ان مفقود الخبر کتابوں کا ذکر اپنی فہرست مراجع میں نہیں کرتے۔ حال ہی میں بعض لوگوں نے ایسی فقہی اور تاریخی کتابیں دوبارہ تیار کی ہیں جو ناپید ہیں۔ دراصل انھوں نے مختلف قدیم کتابوں میں جہاں کہیں اِن کتابوں کے اقتباسات ہیں ان کی وساطت سے یہ کتابیں دوبارہ تیار کی ہیں۔ مثال کے طور پر محمد مصطفیٰ الاعظمی نے "عروۃ بن الزبیرؓ" (متوفی ۹۳ھ/ ۷۱۱-۷۱۲ء تقریباً) کی تالیف مغازی

رسول اللہ کے چند اجزاء ریاض سے ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء میں شائع کیے ہیں۔
سیر و مغازی کی مختلف کتابوں میں اس کتاب کے جو اقتباسات ملتے ہیں انھیں جمع کر کے ڈاکٹر اعظمی نے یہ کام انجام دیا ہے۔ سیرت طیبہ نبویہ پر عروۃ بن الزبیر کی تالیف غالباً اِس باب میں پہلی تالیف تھی۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ محقق کی رسائی اچانک کسی ایسے مخطوطے تک ہو جاتی ہے، جس کے متعلق عام رائے یہ ہوتی ہے کہ وہ ناپید ہو چکا ہے۔ دوسری کتابوں میں اس کے حوالے یا کچھ عبارتیں مل جاتی ہیں لیکن اصل کتاب کا وجود معدوم تصوّر کیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر ترک محقق آ۔ ز۔ و۔ طوقان A.Z.V. Togan نے ابو دُلَف مِشعر بن مہلہل (متوفی تقریباً ۳۹۰ھ/سنہ ۱۰۰۰ء) کا سفر نامہ (جو ایشیاء وسطیٰ اور بلاد فارس کی سیاحی کی تفصیل ہے) سنہ ۱۹۲۲ء میں شہر مشہد میں دریافت کیا۔ یہ کتاب قاہرہ سے سنہ ۱۹۵۲ء میں اور پھر ماسکو سے سنہ ۱۹۶۰ء میں شائع ہوئی۔

اس طرح کی معدوم و ناپید کتابیں جو حال میں دریافت ہوئی ہیں، اُن میں ابن فضلان کا رسالہ ہے، جس میں مصنّف کی ممالک بلغاریہ کے سفر کی تفصیلات ہیں۔ اس رسالے کا نام ہے: رسالة ابن فضلان فی وصف الرحلة الی بلاد الترك والخزر والروس والصقالبة سنة ۳۰۹ھ۔

اس کتاب کو اپنے تحقیق و حاشیہ کے ساتھ سامی البرہان نے دمشق سے سنہ ۱۹۵۹ء میں شائع کیا۔ اس سے پہلے ابن فضلان کے سفرنامہ کا تذکرہ اور حوالہ صرف معجم البلدان مصنفہ یاقوت الحموی (متوفی ۶۲۶/۲۸-۱۲۲۹ء) تحقیق وستنفلد (لایپزیگ سنہ ۱۸۶۸ء) اور علامہ قزوینی (متوفی ۶۸۲/۱۲۸۳)

کی آثار البلاد و أخبار العباد میں آتا تھا۔ مؤخر الذکر کو تحقیق و حاشیہ کے ساتھ وستنفلد نے گوٹنگن سے ۱۸۴۸ء میں شائع کیا ہے۔

اسی طرح ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے محمد بن اسحاق کی سیرتِ نبوی پر کتاب، جس کا پورا نام المبتدأ و المبعث و المغازی ہے اور جو ناپید تصور کی جاتی تھی، کے بعض اجزا رباط کی ایک لائبریری میں دریافت کیے[1]۔ سیرت نبوی کی مشہور کتاب جسے ابن ہشام نے مرتب کیا ہے اور جو السیرة النبویة یا سیرة ابن هشام کے نام سے کُتبِ سیر و مغازی میں سب سے قدیم اور معتبر سیرت نبوی کی حیثیت سے عام طور پر دستیاب و متداول ہے، اس کا سرچشمہ یہی سیرت ابن اسحاق ہے جو معدوم و ناپید ہو چکی تھی۔

ہم عصر یا واقعات سے قریب ترین مورّخین کی لکھی ہوئی تاریخ کو ماخذِ اوّل کی حیثیت سے معیار قرار دینے کے اصول کو اپنایا جائے تو امام ابوجعفر طبری کی کتاب تاریخ الأمم و الملوك معروف بہ "تاریخ الطبري"، جو ۳۰۲ھ تک کے واقعات ریکارڈ کرتی ہے، کو ہجرت کی ابتدائی ڈیڑھ صدی کے لیے بنیادی ماخذ کی حیثیت سے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ طبری نے بعض ایسی کتابوں سے اپنی تاریخ میں استفادہ کیا ہے جو اب بالکل ناپید ہیں، جیسے سیف بن عمر التیمی (جن کی وفات ۲۰۰ھ / ۸۱۵ء میں ہوئی) کی تصنیفات جس میں کتاب الجمل، الفتوح الكبير اور الردة ہے۔

اسی طرح مشہور محدث امام زہری (متوفی ۸۶۳/۲۹۴/۸۶۳) کی کتاب الضعفاء فی رواة الحدیث اور ابو مخنف الازدی (متوفی ۱۵۷ھ/۷۷۴ء) کی کتاب فتوح الشام وغیرہ سے طبری نے استفادہ کیا ہے۔ اِن کتابوں میں کچھ

تو ضائع ہو چکی ہیں اور کچھ مفقود الخبر ہیں اور کچھ دستیاب ہیں مثلاً مقتل الحسین اور أخبار المختار بن أبی عبید الثقفي۔ اور مدائنی (متوفی ۲۲۵ھ / ۸۴۰ء) جو تاریخ وسیر اور مغازی کے مشہور امام ہیں، اِن کی باقیات میں المردفات من قریش اور التعازي آج بھی موجود ہیں۔ یہ حضرات کوئی معمولی درجے کے مؤرخ نہیں ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ انھیں کی کتابوں سے ہمیں اُس عہد کے خاندانوں، قبیلوں اور دیگر امور کے بارے میں دقیق ترین معلومات حاصل ہوتی ہیں۔

مشہور مورّخ ابن الاثیر (متوفی ۶۳۰ھ / ۱۲۳۲ - ۱۲۳۳ء) نے اپنی شہرۂ آفاق تصنیف الكامل فی التاریخ میں چھٹی صدی ہجری یعنی ۱۲ ویں صدی عیسوی کی ابتداء سے اپنے عہد تک کی گراں قدر معلومات جمع کر دی ہیں۔ مشرقی عالم اسلام سے متعلق ابن الاثیر نے کہیں کہیں وہ معلومات بھی فراہم کر دی ہیں، جن سے گزشتہ مورخین کی کتابیں خالی ہیں۔ مثلاً ایشیاء وسطیٰ میں عرب۔ چین جنگوں اور معرکہ آرائیوں کی تفصیلات جو آٹھویں صدی عیسوی میں ہوئیں اور جس نے عالم اسلام کے مشرقی ممالک کی ثقافتی اور سیاسی تاریخ کا آئندہ کئی صدیوں کے لیے رُخ موڑ دیا بلکہ ایک نئی سمت عطا کر دی۔ اس کا علم ابن الاثیر کی تاریخ ہی سے ہوتا ہے۔ مغربی عالم اسلام، بالخصوص مراکش اور اندلس، کے بارے میں بھی ابن الاثیر نے خاص معلومات فراہم کی ہیں حالانکہ یہ ممالک ابن الاثیر کی جائے رہایش سے بہت دور تھے۔ وہ موصل کے اتابک کی سرپرستی میں ارض الجزیرۃ (عراق) میں سکونت پذیر تھے۔

بنیادی مآخذ کا غیر مطبوعہ ہونا ضروری نہیں

یہ ضروری نہیں کہ جن بنیادی مآخذ سے آپ استفادہ کر رہے ہیں، وہ بہرحال مخطوطے کی شکل میں ہوں۔ یہ بھی محض غلط فہمی ہے کہ بہ حیثیت ماخذ مطبوعات کی بہ نسبت مخطوطات زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔ کسی مخطوطے یا کسی مخصوص دستاویز کے شائع ہونے کے بعد کیا مسائل کھڑے ہوتے ہیں یا ان کے مسائل کی نوعیت کیا ہوتی ہے، یہ ایک الگ مسئلہ ہے۔ ہوتا یہ ہے کہ کسی مخطوطے کی طباعت کے مرحلہ میں دو طرح کی مداخلت ہوتی ہے۔ ایک تو محقق کی جانب سے جو اس مخطوطے کی تحقیق و تعلیق کا کام کر رہا ہے، دوسرا وہ شخص جو مطبع میں تصحیح کا کام کر رہا ہے، یعنی آج کی زبان میں پروف ریڈنگ کر رہا ہے۔ ہوتا یہ ہے کہ محقق کسی عبارت کی نشاندہی کیے بغیر اُسے صرف اس لیے حذف کر دیتا ہے کہ اس کی نظر میں اس عبارت کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ کبھی وہ یہ بھی کرتا ہے کہ دو دستاویزوں کو ایک میں ملا دیتا ہے، کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ دونوں ایک ہی موضوع سے متعلق ہیں۔ اصل نص کو پڑھنے یا سمجھنے اور نقل کرنے میں جو غلطیوں کے امکانات ہیں وہ اس کے علاوہ ہیں۔ اس لیے کسی مخطوطے کا مطبوعہ نسخہ اگر آپ پڑھ رہے ہیں اور اسے استعمال کر رہے ہیں تو بہتر ہے کہ اگر ممکن ہو تو اصل مخطوطے کو بھی ایک نظر دیکھ لیں۔ اس طرح آپ ان اختلافات اور اشکالات کی نشاندہی کر سکیں گے جو مذکورہ بالا اسباب کی بنا پر پیدا ہو سکتے ہیں۔

اگر کسی کتاب، مقالے یا دستاویز وغیرہ کی تلخیص آپ استعمال کر رہے ہیں تو ضروری ہے کہ مکمل اصل کو بھی آپ ایک بار ضرور دیکھ لیں کیونکہ تلخیص کا اعتبار بالعموم کم ہوتا ہے۔ اس میں تعصّب اور تلخیص کرنے والے کی ذاتی آرا، کے دخل انداز ہونے کا نہایت قوی امکان ہوتا ہے۔ یہ بھی ہوتا ہے کہ صاحب تلخیص کسی مقصد کے تحت کام کرتا ہے۔ اِس صورت میں وہ اپنی تلخیص میں صرف وہی باتیں لے گا جو اس کے مقصد سے میل کھاتی ہوں گی۔ اس لیے ضروری ہے کہ آپ تلخیص کے پیچھے کارفرمانیّت اور مقصد کو اچھی طرح جان لیں۔ یہ باتیں بڑی حد تک اس تلخیص کا مقدّمہ پڑھنے سے معلوم ہو جائیں گی

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اصل نسخہ سامنے نہیں ہے اور آپ کسی مخطوطے کی نقل استعمال کر رہے ہیں۔ ایسی صورت میں ضروری ہے کہ واضح الفاظ میں آپ صراحت کر دیں کہ آپ نے یہ باتیں اصل سے نہیں بلکہ تلخیص یا اصل نسخہ کی نقل سے حاصل کی ہیں۔ اس سے صرف یہی نہیں کہ آپ علمی امانت میں خیانت کے جرم سے بری ہو جائیں گے بلکہ اس وضاحت کے بعد آپ ان غلطیوں سے بھی بری الذّمہ ہوں گے، جو اصل میں یا تلخیص میں ہوں گی۔

جب آپ کسی نسخہ یا مخطوطہ یا دستاویز کا مطالعہ کریں تو یہ چند سوالات آپ کے ذہن میں اُبھرنے چاہئیں جن کا جواب آپ خود تلاش کریں:

اوّل یہ کہ اس نسخہ یا دستاویز کے لکھنے کی ضرورت کیا تھی؟ اس کے پیچھے کیا مقصد کارفرما تھا؟

دوسرے یہ کہ ترتیب و تالیف کے دوران مصنف کے زیرِ نظر کیا ماخذ

و آثار تھے جنھیں سامنے رکھ کر یہ دستاویز یا مخطوطہ یا جو کچھ بھی مصدر اوّل کی شکل میں آپ کے زیر نظر ہے وہ تصنیف کیا گیا ہے۔

تیسرے یہ کہ وہ کیا افکار و نظریات تھے جنہوں نے اس مصنّف کے فکر و نظریہ کی ساخت و پرداخت پر اثر چھوڑا اور اسے متاثر کیا؟ ان سوالات کے واضح جواب کے بعد آپ بہ سہولت و آسانی زیر نظر مصدر یا ماخذ کی اہمیّت اور اپنے کام کے لیے اس کی افادیت کے امکانات وحدود سمجھ لیں گے۔

آپ کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ ماضی میں جن لوگوں نے آپ کے موضوع پر کام کیا ہے، اُن کی تحقیقات اور اسلوب کا بہ نظر غائر مطالعہ کریں۔ اس پر بھی نظر ہونی چاہیے کہ گزشتہ محققین نے کیا کیا مواد اور مآخذ استعمال کیے ہیں۔ اُن کے سامنے متعلقہ موضوع سے متعلق کیا کیا مواد و مآخذ تھے جن سے انھوں نے استفادہ کیا اور کس طرح، کیا اور کس نتیجے تک پہنچے۔ مزید یہ کہ اُس زمانے میں محققین و مصنفین کی غرض تصنیف کیا تھی؟

تصنیفات میں وقت و حالات کا بہت دخل ہوتا ہے۔ اس لیے یہ جاننا بہت ضروری ہے کہ کن حالات میں اور کس زمانے میں کوئی تصنیف وجود پذیر ہوئی اور اس کے پس پشت کیا عوامل و اغراض تھے۔ مثلاً: ذاتی پیش قدمی یا کسی معاصر مسئلے کے بارے میں کوئی موقف قائم و واضح کرنا یا کسی موقف کی تائید میں تصنیف کی ضرورت محسوس کرنا۔ یا پھر اُس وقت کی کسی شخصیت مثلاً بادشاہِ وقت یا اُمراء و رؤساء اور اس طرح کی کسی موثر شخصیّت یا طاقت کے حکم یا دباؤ یا اثر کے تحت وہ تصنیف کی گئی ہو۔

یہ بات بھی بہت ضروری ہے کہ اوّلین ماخذ کی ہر بات کو تسلیم نہ کرلیں۔ بلکہ نہایت احتیاط سے کام لیں اور کوشش کریں کہ مصنّف کی غرض تصنیف اور اس کی نیّت تک آپ کی رسائی ہو جائے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ مصنّف کسی مذہبی، قومی، نسلی، گروہی یا کسی اور قسم کے تعصّب کا شکار ہو یا صرف معاصرانہ چشمک اس کی تصنیف کا باعث ہو۔ اس لیے اپنی تحقیق و بحث کے دوران آپ کو ہر وقت چوکنّا رہنا ہوگا تاکہ آپ سمجھ سکیں کہ مصنّف پر کوئی خاص چیز یا نظریہ تو اثر انداز نہیں ہوا ہے۔ واقعات کی توجیہ و تفسیر میں وہ کیا نقطۂ نظر اپناتا ہے اور کیوں؟ مصنّف کی نیّت و غرض تجزیہ و تحلیل کے بعد سمجھ میں آتی ہے لیکن اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اس کا نقطۂ نظر نہایت واضح ہوتا ہے۔ جہاں مذہبی اور سیاسی عقائد کا مسئلہ درپیش ہو وہاں اکثر ایسا ہی ہوتا ہے۔ مصنّف جب کسی خاص عقیدے یا دینی و سیاسی رجحان کا علمبردار ہوتا ہے تو بڑے واضح الفاظ میں اپنے افکار و خیالات کی تعبیر کرتا ہے۔ اس کی مثال آپ انتہاپسند شیعی یا ناصبی فرقہ کے مصنفین کے یہاں دیکھ سکتے ہیں۔ خارجی فرقہ کے بچے کھچے افراد جو آج کل عُمان اور شمالی افریقہ میں پائے جاتے ہیں، جنہیں "اباضی" کے نام سے آج کل جانا جاتا ہے، ان کی تحریریں بھی اسی طرح کی ہوتی ہیں۔ یا پھر دوسری طرف انتہاپسند سنی فرقے کے افراد ہیں جو بالعموم ہندستان و پاکستان میں پائے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ دیگر انتہاپسند جماعتیں جو اطراف عالم میں پھیلی ہوئی ہیں۔ اِن کی تصنیفات بھی اپنے موقف و نظریات میں نہایت واضح ہوتی ہیں مختصر یہ کہ مصنّف کی نیّت اور غرض تصنیف معلوم ہونی ضروری ہے خواہ متن

یں ہو یا بین السطور سے اس کی نشاندہی ہوتی ہو۔ کسی مورخ یا مصنف کا کسی مخصوص سمت غیر معمولی میلان اور اس واقعے کے دوسرے پہلوؤں کو نظر انداز کر دینا بسا اوقات کھل کر سامنے نہیں آتا۔ مثلاً ابن الاثیر نے صلاح الدین ایوبی اور عہد ایوبی کی تاریخ قلمبند کرنے میں جس سرد مہری سے کام لیا ہے اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ابن الاثیر کے نور الدین زنگی کے خاندان سے خصوصی مراسم تھے اور صلاح الدین ایوبی نے ربیع الاول ۵۷۰ھ مطابق اکتوبر ۱۱۷۴ء میں اسی خاندان کے خلاف علم بغاوت بلند کرکے ان کی سلطنت کا خاتمہ کر دیا اور خود حاکم بن بیٹھا۔

اس جملۂ معترضہ کے بعد مآخذ اوّل یعنی بنیادی مصدر کے سلسلے میں عرض ہے کہ ہر کتاب مطبوعہ ہو یا مخطوطہ من وعن قابلِ اعتماد نہیں ہوتی ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ زیر نظر مآخذ کو پہلے آپ درایت و روایت کے پیمانے سے ناپیں۔ مذکورہ بالا امور کو نگاہ میں رکھتے ہوئے اس کی اہمیت اور افادیت کی تعیین کریں اور اسی نسبت سے اسے اپنی تحقیق میں اہمیت دیں۔ مثال کے طور پر آپ کے سامنے اپنا ہی ایک تجربہ پیش کرتا ہوں۔ جب میں نے مانچسٹر یونی ورسٹی میں پی ایچ ڈی کے لیے اپنا مقالہ The Concept of *Hijrah* in Islam (اسلام میں ہجرت کا تصور) لکھنا شروع کیا تو ہندستان، مصر اور برطانیہ میں اس موضوع پر صرف ایک کتاب مل سکی جو اس موضوع پر براہ راست لکھی گئی تھی، یعنی اسلام میں ہجرت کا تصور اور فلسفہ۔ لیکن جب میں نے اسے پڑھا تو معلوم ہوا کہ کتاب مذکور ہر پہلو سے ناقص ہے۔ ساتھ ہی یہ بات بھی کھل گئی کہ کتاب دوسروں کے اقتباسات

سے پُر ہے، یعنی گزشتہ مصنفین نے ہجرت کی بابت اپنی مختلف کتابوں میں جو کچھ لکھا ہے، اُسے مصنف مذکور نے نقل کر لیا ہے اور بالعموم حوالہ دینے سے بھی گریز کیا ہے ۔ یہی وجہ تھی کہ میں نے اس کتاب سے ایک جملہ بھی نہیں لیا۔

مناسب یہ ہے کہ آپ اپنی بحث و تحقیق کے ابتدائی مرحلے میں ہی جہاں تک جلد ممکن ہو، اُن کتابوں کے بارے میں پوری واقفیت حاصل کریں جنھیں آپ بحیثیت ماخذ استعمال کریں گے اور یہ بھی کہ یہ سب مواد آپ کو کہاں کہاں سے دستیاب ہو سکیں گے ۔ اس کے لیے مختلف لائبریریوں کے کیٹلاگ، حکومتی دستاویزوں کی ڈائرکٹری اور اسی طرح دیگر فہرست کتابیات کا مطالعہ اور اپنے کام کی چیزوں کی دریافت اور بازیافت کا عمل ابتدا ہی میں آپ کو کر لینا چاہیے ۔ بعض اہم کیٹلاگوں کا ذکر اپنی جگہ آئے گا۔

اس کا مقصد یہ ہے کہ اُن اہم مواد تک، جن کی آپ کو ضرورت ہے، وقت ضائع کیے بغیر کم ازکم وقت میں آپ کی رسائی ہو سکے ۔ اگر ان مآخذ کی فوٹو کاپی یا مائیکرو فلم آپ حاصل کر سکیں تو آپ کے لیے یہ مزید نفع بخش اور بہتر ہے۔ بصورت دیگر آپ کسی لائبریری میں گھنٹوں سر جوڑے بیٹھے کسی ماخذ سے نقل کر رہے ہوں گے اور صفحات کے صفحات سیاہ کرتے جا رہے ہوں گے۔ اس سے کہیں بہتر ہے کہ اس کی فوٹو کاپی حاصل کر لیں اور اپنی سہولت کے مطابق اسے استعمال کریں ۔ یہ بھی خطرہ ہے کہ نقل کرتے ہوئے کوئی غلطی ہو جائے اور بعد میں آپ مجبور ہو جائیں کہ دوبارہ اُسی لائبریری کی زیارت کریں اور مزید وقت اور صلاحیت ضائع کریں ۔ یہ امکان بھی رہے گا کہ دوسری زیارت کے وقت وہ کتاب استعارہ میں لائبریری سے باہر ہو؛ فوٹو کاپی

یا مائیکرو فلم حاصل کرنے پر اِن آفتوں سے آپ محفوظ رہیں گے ۔

اس سلسلے میں آپ کو معاصر محققین سے مراسلت بھی کرنی ہو گی۔ وہ حضرات جن کے بارے میں آپ کو اندازہ ہے کہ موضوع سے متعلق معلومات فراہم کر سکتے ہیں اُن کو خطوط لکھیے یا اُن سے ملاقات کیجیے ۔ آپ تجربہ کریں گے کہ آپ کے خطوط پر مغربی ممالک کے اصحاب علم پوری توجہ دیں گے ۔ البتہ اہل مشرق کے بارے میں یہ کہنا مشکل ہے ۔

کتب خانے اور لائبریریاں

جغرافیائی اعتبار سے آپ زمین کے جس خطّے میں ہوں گے اُسی کے اطراف کے عام اور بڑے کتب خانوں سے ہی آپ بالعموم استفادہ کر پائیں گے۔ مثلاً اگر آپ قاہرہ میں ہیں تو دار الکتب المصریة ' الازہر' قاہرہ یونی ورسٹی اور جامعہ عین شمس کے کتب خانوں سے استفادہ آپ کے لیے ممکن ہو گا۔ بلکہ مخصوص اجازت کے ساتھ قاہرہ کی امریکن یونی ورسٹی (الجامعة الأمریکیة) بھی آپ استعمال کر سکتے ہیں ۔ اس کے علاوہ مختلف کالج' تعلیمی ادارے اور مختلف وزارتوں کی لائبریریاں بھی استعمال کر سکتے ہیں۔آپ کے کام کی چیزیں کہیں بھی ہو سکتی ہیں۔اس لیے امکانی حدود میں ہر چھوٹی بڑی لائبریری جہاں رسائی ممکن ہو' وہاں سے استفادہ کرنا آپ اپنا بنیادی اصول سمجھیں ۔ قاہرہ میں ایسے کتب خانے بھی ہیں جو کسی خاص علم یا فن کے لیے مخصوص و ممتاز ہیں مثلاً عرب لیگ (جامعة الدول العربیة) کے ہیڈ آفس کا کتب خانہ جو عالم عرب کے مسائل کے لیے عمدہ ذخیرہ رکھتا ہے ۔ اسی طرح گارڈن سیٹی کے معهد الدراسات

العربية اور زمالک میں واقع معهد الدراسات الإسلامية میں بھی عمدہ لائبریریاں ہیں۔

اسی طرح اگر آپ مثلاً لندن میں رہ کر تحقیقی کام کر رہے ہیں تو پھر عظیم الشان کتب خانوں سے آپ استفادہ کر سکتے ہیں۔ مثلاً برٹش میوزیم کا کتب خانہ اور اسکول آف اورینٹل اینڈ آفریکن اسٹڈیز (SOAS) کی لائبریری۔ اسی طرح لندن یونی ورسٹی کی مرکزی لائبریری اور انڈیا آفس لائبریری آپ کے تصرف میں ہوگی (ہندستان میں برطانوی حکومت کے دوران ہندستان سے متعلق انگلینڈ میں جو وزارت تھی اُسے "انڈیا آفس" کا نام دیا گیا تھا)۔

اور اگر آپ دہلی میں ہیں تو پھر جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی یونی ورسٹی، جواہر لال نہرو یونی ورسٹی اور جامعہ ہمدرد وغیرہ کے کتب خانے استفادے کے لیے موجود ہیں۔

ان سب کے باوجود آپ تحقیق و جستجو کے لیے ہمیشہ پابہ رکاب رہیں اور حسب استطاعت دیگر ممالک اور شہروں کے مشہور علمی مراکز کا سفر کر کے وہاں کے علمی ذخیروں سے استفادہ کریں، کیونکہ سارے مواد بالعموم ایک ہی جگہ دستیاب نہیں ہوتے۔

اسڈیل کی کتاب "نیشنل لائبریریز آف دی ورلڈ"[۱۵] میں آپ کو ان ساری سہولتوں کے بارے میں نہایت تفصیل سے معلومات ملیں گی جو عالمی سطح پر ہر ملک کی نیشنل لائبریریز فراہم کرتی ہیں۔ اسی طرح مختلف یونی ورسٹیوں، تعلیمی اداروں، نیشنل میوزیموں اور علوم و فنون کے نمائشی مراکز (آرٹ گیلری) کے بارے میں معلومات مندرجہ ذیل سالانہ کتاب سے حاصل کریں:

The Libraries, Museums and Arts Galleries Year Book
اس کتاب کا نیا ایڈیشن ہر سال لندن اور نیویارک سے شائع ہوتا ہے۔
اسی طرح لندن کے یوروپا Europa نامی نشریاتی ادارے سے شائع ہونے والی ضخیم سالانہ ڈائرکٹری، جو *World of Learning* کے نام سے ہر سال شائع ہوتی ہے، دنیا کی اہم پبلک لائبریریوں کی تفصیل مراسلت کے مکمل پتے کے ساتھ شائع کرتی ہے۔ اس کتاب میں مختلف ملکوں کے اہم علمی مراکز، تعلیمی ادارے اور ان سے متعلق دیگر تفصیلات اور پتے بھی آپ کو ملیں گے۔ ان اداروں سے آپ خط و کتابت کے ذریعے اپنی تحقیق کے موضوع سے متعلق مراجع اور اس موضوع کے ماہرین کے بارے میں گرانقدر معلومات حاصل کر سکتے ہیں۔ تلاش کے دوران مختلف ملکوں کی یونی ورسٹیوں اور علمی اداروں کے کتب خانوں اور اُن کے علمی ذخیروں سے متعلق بے شمار رہنما کتابیں (کیٹلاگ اور گائڈ) آپ کو میسّر ہوں گی۔ مغربی ممالک مثلاً برطانیہ، فرانس اور امریکہ وغیرہ میں کتب خانوں کی تفصیلات فراہم کرنے کا بالخصوص اہتمام ہے۔ ان ممالک میں لائبریریوں کی خدمات بھی نہایت اعلیٰ سطح پر میسّر ہیں۔

ہر ملک کے بڑے کتب خانے انفرادی طور پر اپنے یہاں محفوظ مخطوطات و مطبوعات اور نادر قلمی نسخوں کی فہرست اور مطبوعہ کتابی ذخیرے کی فہرست کی تفصیل شائع کرتی رہتی ہیں۔ مثال کے طور پر برٹش میوزیم نے بہت سی رہنما فہرستِ کتب شائع کی ہیں، جیسے:

A Guide to the use of the Reading Room

یعنی لائبریری میں مطالعے کے کمرہ کا طریقۂ استعمال۔

A.G. Ellis, *Catalogue of the Arabic books in the British Museum,* London, I : 1894, II : 1901, III : *Indexes* by A. S. Fulton (1935).

(برٹش میوزیم لندن میں موجود عربی کتابوں کی فہرست)

Fulton and Ellis, *Supplementary catalogue of Arabic printed books in the British Museum* (London 1926)

(مذکورہ بالا کتاب کا ضمیمہ)

T. C. Skeat, *Catalogue of the manuscript collections* (London 1962)

(برٹش میوزیم لندن میں موجود قلمی نسخوں کی فہرست)

F.C. Francis, *Catalogue of the printed books* (London 1952)

(مطبوعہ کتابوں کی فہرست)

F. C. Francis, *Oriental printed books and manuscripts* (London 1951)

(یعنی علوم شرقیہ سے متعلق مطبوعات ومخطوطات کی فہرست)

بعینہٖ اسی طرح کی تفصیلات انڈیا آفس لائبریری India Office Library لندن اور اسکول آف اورینٹل اینڈ آفریکن اسٹڈیز SOAS لندن کے کتب خانے بھی شائع کرنے کا اہتمام کرتے ہیں۔ برطانیہ اور دوسرے یوروپین ممالک نیز امریکہ وغیرہ کے اہم کتب خانے بھی اس میدان میں پیچھے نہیں ہیں ۔ ان میں سے ہر ایک انفرادی طور پر اپنے یہاں دستیاب مطبوعہ ومخطوطہ ذخائر کی تفصیلی فہرست اور اس طرح کی دیگر فہرست کتابیات شائع کرتا ہے ۔ بخوف طوالت ان کا ذکر یہاں نہیں کیا جاتا ہے۔

اپنی تحقیق کے دوران آپ کو اس طرح کی تفصیلات بہ آسانی مل جائیں گی۔

کسی کتاب کے مصنّف کا اگر مکمل نام معلوم ہے تو بڑے کتب خانوں میں آپ مطلوبہ کتاب نسبتاً آسانی سے حاصل کر سکتے ہیں۔ یہ ضرور ہے کہ اسلامی و عربی مصنفین کے نام کیٹلاگوں میں تلاش کرنا کبھی کبھی پریشان کن ہوتا ہے۔ کیونکہ بعض لائبریریاں اسلامی و عربی مصنفین کے ناموں کی فہرست ترتیب دینے میں نام کا پہلا حصّہ لکھتی ہیں، جب کہ عموماً عربی و اسلامی مصنف اُس نام سے مشہور نہیں ہوتا۔ مثال کے طور پر ممکن ہے کہ مشہور لُبنانی مصنّف عمر فروخ کی کتاب تجدید التاریخ کو آپ فہرست مصنّفین Authors' catalogue میں "عمر فروخ" کے تحت پائیں، جب کہ عمومی ترتیب کے لحاظ سے ان کے نام کو "فروخ، عمر" کے تحت ہونا چاہیے تھا۔ کیٹلاگ کی ترتیب کا اصول یہی ہے کہ لقب یا نام کا آخری جزء پہلے لکھا جاتا ہے۔ مغربی لائبریریاں اب اس اصول یا روایت سے باز آرہی ہیں۔ اسماء کی ترتیب و اندراج کی اِس تکلیف دہ روایت کا (یعنی نام کے پہلے حصّے سے شروع کرنا) خیرالدین الزِرِکْلِي نے اپنی مشہور تالیف الأعلام میں اتباع کیا ہے۔ اِس طریقۂ اندراج میں مشکل یہ پیش آتی ہے کہ اکثر مصنّف اپنے اصل یا پہلے نام سے مشہور نہیں ہوتے، بلکہ اپنے لقب یا نام کے جزو آخر سے مشہور ہوتے ہیں۔ اس صورت میں اگر مصنف کا پورا نام معلوم نہیں ہے تو تلاش کرنے میں یقیناً پریشانی ہوگی۔ اس لیے اب قاعدہ یہ بنا دیا گیا ہے کہ نام کا آخری جزو پہلے لکھتے ہیں اور اس کو لقب گردانتے ہیں۔ غیر مسلم اسماء کی فہرست بنانے میں مشرق و مغرب

کے تقریباً سارے کتب خانے اب اسی اصول پر عمل پیرا ہیں، یعنی مصنّفین کی فہرست مرتب کرنے میں لقب یا نام کے آخری حصّہ کو لکھتے ہیں۔ لیکن اپنے حوالے کے لیے آپ جب مصنّف کا نام درج کریں تو لقب کے ساتھ پورا نام لکھیں۔ صرف لقب یا نام کے آخری جز، کو لکھ کر نہ چھوڑ دیں غیرمسلم ناموں کے سلسلے میں کم از کم نام کے ابتدائی اجزا کا پہلا حرف ضرور لکھ لیں۔ ورنہ کیٹلاگ میں تلاش کرتے ہوئے مشکل پیش آئے گی۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ مغربی مصنّفین کے نام ایک دوسرے سے بہت مشابہ ہوتے ہیں، ایک ہی لفظ مثلاً اسمتھ Smith یا وِلسَنْ Wilson کے تحت آپ کو ہزاروں نام مل جائیں گے۔ اگر آپ کے پاس لقب کے علاوہ شروع کے نام یا اُس کے پہلے حروف نہ ہوں تو آپ کس اسمتھ یا ویلسن کی تلاش کریں گے؟ اس لیے ضروری ہے کہ پورا نام یا نام کے پہلے جز، کا پہلا حرف ضرور لکھ لیں۔ مثلاً James, Bernard پورا نام ہے اور برنارڈ جز، اول ہے اس لیے کم از کم اس کا ابتدائی حرف یعنی James, B. ضرور لکھ لیں۔

اسی کے ساتھ آپ کو چاہیے کہ اپنے موضوع سے متعلق مواد جمع کرنے سے پہلے لائبریری کی گائڈ پر نظر ڈال لیں تاکہ اس کی مختلف سہولتوں اور اقسام کے بارے میں آپ کو علم ہو جائے۔ مزید یہ کہ لائبریری کے نگرانِ اعلیٰ سے معلومات کرلیں کہ کیا وہ آپ کے لیے لائبریری میں نہ پائی جانے والی کسی کتاب یا مخطوطے کی مایکروفلم یا مایکروفیش یا فوٹو کاپی ملک کے اندر یا باہر سے حاصل کر سکتے ہیں۔ اس طرح کی سہولت، جسے یورپ میں لائبریریوں کا باہمی استعارہ Inter-Library Loans کہا جاتا ہے، آپ کو بہت

سے مسائل سے بچائے گی، مثلاً مطلوبہ مواد کے حصول کے لیے مشقتیں اور وقت
کی بربادی۔ مخصوص مآخذ جن کی آپ کو ضرورت ہے اور جو اس لائبریری
میں موجود نہیں ہیں آپ کی درخواست پر اُس کا لائبریرین آپ کے لیے اُن
کی فوٹو کاپی یا مائیکرو فلم وغیرہ کسی اور لائبریری سے منگوا سکتا ہے۔ وہ آپ
کی درخواست پر ایسی کتابیں خرید بھی سکتا ہے، جو اس کی لائبریری میں
موجود نہیں ہیں۔

تحقیق کے تقاضے

تحقیق کے بنیادی تقاضوں میں سے ایک یہ ہے کہ جس موضوع پر آپ
کام کر رہے ہیں۔ خواہ آپ کی تحقیق کا میدان کوئی بھی ہو۔ صرف اُس
میدان ہی میں نہیں بلکہ دیگر متعلقہ فرعی علوم وفنون کے بارے میں آپ کو
معقول حد تک شد بد ہو۔ مثلاً اگر آپ علم عَروض پر تحقیق کر رہے ہیں تو صرف
عربی اشعار جاننا اور سمجھنا کافی نہیں بلکہ عربی ادب کی جملہ اصناف کا علم
کافی حد تک ہونا چاہیے، بلکہ اس سے آگے بڑھ کر دوسری زبانوں کے
کلاسیکی اشعار سے بھی واقفیت ہونا ضروری ہے۔ اور اس موضوع پر
معاصر نقاد اور اہل قلم نے جو کچھ لکھا ہے وہ بھی پڑھنا ہوگا۔

اگر اوائلِ اسلام کی تاریخ آپ کا موضوع ہے تو مکمل تاریخ اسلام
کا معقول مطالعہ اور ساتھ ہی اسلام کا بحیثیت مذہب گہرا مطالعہ ضروری ہے،
کیونکہ اس طرح کے پس منظر کے بغیر آپ اکثر اشیاء نہیں سمجھ سکتے۔ اور
اگر آپ مثلاً آثار قدیمہ کے کسی موضوع پر تحقیق کر رہے ہیں تو قدیم تحریری آثار،

سکوں پر نقش کی ہوئی عبارتیں اور اسی طرح آثار قدیمہ کی تختیوں اور کتبوں کے بارے میں معلومات ضروری ہیں۔

آپ کے لیے ضروری ہے کہ آپ کم از کم اتنے علم سے تو لیس ہوں ہی کہ موضوع سے تعلق رکھنے والے علوم کی نزاکتوں کو سمجھ سکیں۔ اگر ایسا نہ ہوگا تو آپ کی تحقیق سقم کا شکار ہوگی اور اس کا بھی امکان ہوگا کہ جس ڈگری کے حصول کے لیے آپ جدوجہد کر رہے ہیں، وہ بھی آپ کے ہاتھ نہ آئے۔

تحقیقات کے بارے میں کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جس موضوع پر آپ کام کر رہے ہیں اس کے ماحولیاتی موضوع یا موضوعات پر بھی آپ کا ایک اجمالی مطالعہ ہونا ضروری ہوتا ہے۔ مثلاً اگر آپ اسلامی معاشیات پر کام کر رہے ہیں تو علم معاشیات کا اجمالی مطالعہ آپ کے لیے ناگزیر ہے۔ معاشیات کے مبادیات اور عمومی علم کے بغیر کسی مخصوص معاشی نظام، مثلاً اسلامی معاشیات، کو سمجھنا اور اس پر کام کرنا ممکن نہ ہوگا۔

اور اگر آپ اسلامی سیاسیات پر کام کر رہے ہیں، یعنی اسلامی تاریخ، سیر اور "احکام سلطانیہ" (اسلامی سیاست) آپ کا موضوع بحث ہے، تو ضروری ہے کہ سیاسیات کی تاریخ اور معاصر عہد میں سیاسیات کے عام رجحانات اور موجودہ صورتِ حال پر آپ کی نگاہ عمدہ طور پر ہو۔

اور اگر شریعت اسلامی آپ کا موضوع بحث ہے تو آپ کے لیے ضروری ہے کہ دیگر ممالک، مثلاً مغربی ممالک، کے قوانین و آئین کا اچھا مطالعہ کریں اور آپ کو ان کی ارتقائی تاریخ کا علم بھی ہو۔ ساتھ ہی جس عہد کے قوانین پر آپ تحقیق کر رہے ہیں اُس کے معاصر اقوام و ملل کے آئین

و قوانین کا مطالعہ بھی ضروری ہے۔ جب تک یہ تمام پس منظر آپ کے سامنے نہ ہوں گے آپ کسی موازنہ و تقابل کی پوزیشن میں نہیں ہوں گے، اور نہ ہی اس طرح کی بحث اُٹھا کر کسی مفید نتیجے تک آپ کی رسائی ہو سکے گی۔
مختصراً غرض ہے کہ جب تک آپ اپنے موضوع سے متعلق دیگر علوم و فنون اور متعلقہ عہد کے بارے میں پوری معلومات نہیں رکھیں گے آپ کا مقالہ پایۂ اعتبار تک نہیں پہنچ پائے گا۔ مزید برآں آپ کے لیے یہ بھی جاننا ضروری ہے کہ متعینہ عہد یا علم یا فن کے بارے میں جو تصنیفات ہوئیں وہ کیا کیا ہیں۔

فروعی علوم

بحث و تحقیق کی نوعیت کبھی کبھی ایسی بھی ہوتی ہے کہ اصل موضوع سے تعلق رکھنے والے کسی مخصوص فرعی علم کا ماہرانہ مطالعہ نہایت ناگزیر ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر اگر آپ سکّوں پر تحقیق کر رہے ہیں تو سکّہ شناسی، سکّے ڈھالنے اور بنانے کا علم، اس پر نقش کی ہوئی عبارتوں کو پڑھنے اور سمجھنے کا علم اور اس سے نتائج تک پہنچنے کا فن، یہ سب کچھ بطور مقدمہ اور شرط کے ابتدائً پڑھنا اور جاننا ہوگا تاکہ آپ اصل موضوع پر کام کر سکیں۔ اسی طرح اُن نتائج و معلومات پر بھی آپ کی نگاہ ہونی چاہیے، جن تک سکّہ شناس پہنچ سکے ہیں، اور جن اصولوں اور طریقہ ہائے کار کو انھوں نے اپنایا ہے۔
اگر آپ الفاظ کے اصول و تاریخ پر کام کر رہے ہیں تو آپ کو لسانیات Philology اور علم دلالت الفاظ Semantics کا علم حاصل کرنا پڑے گا۔

یہ دونوں علم الفاظ کے معانی، تاریخ اور ارتقا سے متعلق ہیں۔

دورانِ تحقیق اگر آپ محسوس کریں کہ کسی مطبوعہ کتاب کے مختلف ایڈیشنوں کا مطالعہ آپ کی تحقیق کی ضرورت ہے، تو اس کے لیے ببلیوگرافی یعنی ترتیب وفہرست کتابیات آپ کے لیے ممد و معاون ہوگی۔ کبھی آپ کو آثارِ قدیمہ کی کسی شہادت و دلیل کی ضرورت ہوگی، ایسی صورت میں علم آثارِ قدیمہ Archeology آپ کی مدد کرے گا۔ اگر آپ کا موضوعِ بحث قرآن کریم کا علمی معجزہ ہے تو موجودہ سائنسی علوم اور ان کی تحقیقات آپ کی معاون ثابت ہوں گی۔

یہ بھی یاد رہنا چاہیے کہ یہ فرعی اور ذیلی علوم جن کا ذکر کیا گیا ہے، آپ کی تحقیقات میں ان کا تذکرہ سطحیت کے ساتھ نہیں آنا چاہیے۔ اس سلسلے میں اگر آپ کو اس علم کے کسی ماہر صاحب علم کی خدمات حاصل کرنی ہوں تو اس سے دریغ نہ کریں تاکہ وہ آپ کو صحیح مشورہ دے اور مناسب کتابوں تک رہنمائی کرسکے۔

اس سلسلے میں ایک اہم نکتے کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہوں گا، وہ یہ کہ تصنیف و تالیف کی دنیا میں یہ عام بات ہے کہ جب کوئی نئی تصنیف سامنے آتی ہے تو اس پر مخالف یا موافق تنقید و تبصرہ مستقل مقالات یا ریویو وغیرہ کی صورت میں اخبارات و رسائل، بالخصوص علمی و تحقیقی رسالوں میں شائع ہوتے ہیں۔ اس طرح کے تنقیدی تبصروں کا مطالعہ نہایت مفید ہوتا ہے کیوں کہ اس سے جہاں ایک طرف اصل کتاب کے بعض عیوب و نقائص یا غلطیاں سامنے آجاتی ہیں وہیں دیگر مفید معلومات صاحبِ تبصرہ کے توسط سے حاصل ہوتی ہیں۔ اس لیے زیرِ مطالعہ کتابوں پر دوسرے اہلِ علم کی

رائے اور ان کی علمی بصیرت سے استفادے کا یہ طریقہ بہت اہمیت کا حامل ہے۔ آپ کو ان متخصص مجلات کو بھی اپنے مطالعے میں رکھنا چاہیے جو آپ کے موضوع سے متعلق ہیں۔ نیز اُن تازہ کتابیات (ببلیوگریفیز) پر بھی نظر رکھنی چاہیے جو مختلف اداروں اور جامعات سے شائع ہوتی ہیں۔ اس سے آپ کو اپنے کام میں خاطر خواہ مدد ملے گی اور آپ کو تازہ ترین معلومات ہوں گی کہ اِس میدان میں دوسرے اور کیا کام کس نوعیت کے اور کہاں ہو رہے ہیں۔ اور کام کرنے والے کون ہیں۔ اُن کے طریقۂ کار اور معیارِ تحقیق اور رُخ کا اندازہ ہو سکے گا۔ تمام علمی مجلّات میں جدید کتابوں پر تبصرے بھی ہوتے ہیں۔ تنقیدی جائزے یا کم از کم جدید تصنیفات کی نشاندہی ہوتی ہے۔ آپ اپنے موضوع بحث سے متعلق جدید ترین کتابوں کی معلومات حاصل کریں اور نقد و تبصرے سے استفادہ کریں۔ یہ باتیں تحقیقی نقطۂ نظر سے نہایت اہم ہیں۔

گزشتہ چند برسوں میں اسلامیات پر دیگر زبانوں، بالخصوص انگریزی میں لکھی جانے والی کتابوں کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کا نہایت اہم ذریعہ لیسٹر (انگلینڈ) کے اسلامک فاؤنڈیشن کے زیر اہتمام شائع ہونے والا فصلی مجلّہ *The Muslim World Book Review* ہے۔ یہ ادارہ مستشرقین کے انحراف سے پاک ہے۔ کیونکہ اس کی ادارت سے لے کر مضمون نگار اور مواد فراہم کرنے والے افراد تک زیادہ تر مسلمان ہیں۔ اس ادارے کا پتہ حسب ذیل ہے۔

The Islamic Foundation, 223 London Road,

Leicester LE2 IZE, U.K.

اہلِ علم حضرات سے ملاقاتیں، اُن کی مخصوص مجلسوں میں حاضری، علمی سیمناروں میں شرکت، تحقیقی کام کے لیے نہایت مفید ہے۔ یہ ایک طرح کا علمی تجربہ اور مشق ہے کیونکہ اہلِ تحقیق اور صاحب علم حضرات اپنی گفتگو اور مذاکرات میں اُن مسائل و مشکلات کا ذکر کرتے ہیں، جن سے وہ خود دوچار ہو چکے ہوتے ہیں۔ یہ باتیں آپ کے آئندہ تحقیقی مراحل میں نہایت نفع بخش اور کارآمد ہوں گی۔ آپ ان کے عملی تجربوں سے درس لے سکیں گے۔ اسی طرح یونی ورسٹیوں میں تحقیقی مقالات، مثلاً پی ایچ ڈی تھیسس، کے لیے زبانی امتحانات ہوتے ہیں۔ ان میں شرکت کرنی مفید ہوتی ہے۔ وہاں ریسرچ اسکالر سے اُس کے موضوع پر بحث ہوتی ہے۔ اگر آپ کی یونی ورسٹی میں اس کی اجازت ہو تو ضرور شرکت کریں اور سوال و جواب کو غور سے سنیں۔ ریسرچ اسکالرز سے اُن کی تحقیقات میں جو غلطیاں ہوتی ہیں زبانی امتحانات میں اُن غلطیوں کی نشاندہی کی جاتی ہے اور سوال و جواب ہوتے ہیں۔ آپ اس سے بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں۔

مخطوطات اور دستاویزات

اپنی تحقیق کے سلسلے میں آپ اگر کسی قلمی نسخے یا وثیقے کا استعمال کر رہے ہیں تو اچھی طرح پرکھے بغیر اس پر یوں ہی اعتبار نہ کرلیں۔ اس کا پورا اطمینان کرلیں کہ زیرِ نظر مخطوطہ کہیں جعلی تو نہیں، اس میں بعد میں قطع و برید، حذف و اضافہ تو نہیں کیا گیا ہے۔ اس لیے پہلے آپ زیرِ نظر دستاویز

کی تاریخ اور تاریخی حیثیت معلوم و متعین کریں ۔ قدیم کتبے، نقوش اور تحریریں پڑھنا اب ایک مستقل فن کی حیثیت حاصل کر چکا ہے جسے پیلیوگریفی Palaeography کہتے ہیں ۔ اس فن سے واقفیت آپ کو اس طرح کی تحریروں کی پرکھ میں مدد دے گی ۔ نیز اس فن کی مدد سے آپ پر یہ عیاں ہو سکتا ہے کہ جو قلمی نسخہ یا دستاویز آپ دیکھ رہے ہیں اس کا رسم الخط اُس عہد کے رسم الخط سے مختلف تو نہیں ہے جس میں یہ دستاویز لکھی گئی ہے ۔ یا رسم الخط کی شکل وصورت وہ نہیں ہے جو اس عہد میں ہوا کرتی تھی ۔ اسی طرح اسلوب کا فرق بھی نمایاں طور پر واضح ہو گا ۔

آپ کی آسانی کے لیے اس سلسلے کے کچھ اہم مآخذ کی ہم یہاں نشاندہی کرتے ہیں۔ ان سے مدد لیں :

- ناجی زین الدین کی تصنیف "مصور الخط العربي" (مطبوعہ بغداد ۱۳۸۸/۱۹۶۸ء) ؛

- صفوان التل کی تصنیف الخط العربي؛

- صلاح الدین المنجد کی تصنیف الخط العربي؛

- جی۔ وائدا کی تصنیف عربی تحریر شناسی کا البم (مطبوعہ پیرس ۱۹۵۸)

G. Vajda, *Album de paleogaphie arabe* (Paris 1958)

- آنا ماری شیمل کی کتاب " عربی خطاطی کا فن " (مطبوعہ لایڈن ۱۹۷۰ء)

Annemarie Schimmel, *Islamic calligraphy* (Leiden 1970)

- عربی خط شناسی (پہلی صدی ہجری سے دسویں صدی ہجری تک)

Bernard Moritz, *Arabic Palaeography : a collection of Arabic texts from the first century of the Hidjra till the year 1000* (Cairo 1905)

- ظہور الخط العربی الشمالی یعنی شمالی عرب میں رسم الخط کی ابتدا، و ارتقاء

Nabia Abbott, *The Rise of the North Arabian Script and Its Kur'anic development, with a full description of the Kur'an manuscripts in the Oriental Institute* (Chicago 1939)

- فارسی و عربی رسم الخط کے کچھ نمونے / اقتباسات

Arthur John Arberry, *Specimens of Arabic and Persian palaeography, selected and annotated* (London 1939);

- عربی پیلیوگریفی (فہرست کتابیات)

Adolf Grohmann. *Arabische Palaeographie* (Vienna 1967-71).

لسانیات Philology کے علم و مطالعہ سے آپ کو یہ نفع ہوگا کہ کسی قلمی نسخہ کی زبان کے بارے میں آپ بہ سہولت رائے قائم کرسکیں گے کہ آیا اس میں استعمال کی ہوئی زبان اُس عہد میں رائج تھی یا یہ کہ وہ زمانہ مابعد میں اضافہ و الحاق کا نتیجہ ہے؟ آجکل قدیم مخطوطات اور تحریروں کی جانچ اور پرکھ کے لیے کچھ مزید طریقے عمل میں لائے گئے ہیں، جن کی مدد سے کسی مخطوطے میں استعمال کی گئی روشنائی، کاغذ وغیرہ کی نوعیت اور اس کی عمر وغیرہ سب کچھ قطعی طور پر معلوم کرلیتے ہیں۔ اس فن کے ماہر اپنی تجربہ گاہوں میں سب کچھ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کرکے

بتا سکتے ہیں۔

دوسرا مرحلہ زیر نظر مخطوطہ یا وثیقہ کی "داخلی شہادت" Internal evidence کا مسئلہ ہے۔ کسی مخطوطے میں جو کچھ کہا یا بتایا گیا ہے، اس کی جانچ ہی بالعموم کسی مخطوطے کے قبول یا مسترد کرنے کے لیے تنہا کافی ہوتی ہے۔

جب متن کے امتحان و تحقیق کے بعد کوئی قلمی نسخہ یا دستاویز پایۂ اعتبار کو پہنچ جائے تو پھر ایک ناقد کی حیثیت سے آپ یہ متعین کریں کہ موضوع سے متعلق اُس مخطوطے یا دستاویز کی اہمیت اور بحیثیت ماخذ اس کی کیا قدر و قیمت ہے۔ اہمیت متعین کرنے کے لیے چند آزمائشی سوالات[۵] آپ کو اٹھانے ہوں گے جو بالعموم محققین کا دستور ہے:

- مصنّف کس حد تک غیر جانبدار تھا۔ بہ الفاظِ دیگر ایسا تو نہیں کہ مصنّف کسی نظریاتی یا جماعتی تعصّب کا شکار تھا یا کسی مخصوص جماعت کی طرف اس کا خاص میلان تھا؟

- اپنے عہد میں اُس مصنّف کا کیا موقف تھا اور زیر بحث تصنیف کے پیچھے اس کے اغراض و مقاصد کیا تھے؟

- صحیح معلومات تک پہنچنے کے لیے اس وقت اس کے پاس کیا ذرائع تھے اور کس طرح اس کی رسائی اُن مواد تک ہوئی؟

- معاصر عہد میں خواص کی نظر میں اس کا کیا مقام تھا؟ کیا اپنی صداقت کے لیے وہ معاصر عہد میں معتبر و معروف تھا۔ اس پر علمی خیانت کا کوئی الزام تو نہیں لگا؟

- کیا وہ یونہی بغیر ناقدانہ جانچ کے ہر رطب و یابس کو سادگی اور حسن ظن

سے قبول کرلیا کرتا تھا ، اور ہر خبر جو اس تک پہنچی اسے من وعن مان لیتا تھا یا پھر ناقدانہ اور درایتی اصول پر واقعات کی تحقیق کے بعد اسے ردّ و قبول کے خانوں میں رکھتا تھا ؟

ـ بحیثیت مجموعی وہ کن نظریات و عقائد کا حامل تھا ؟ اور اپنی تصنیف میں جو اصطلاحات اُس نے استعمال کی ہیں، اُن سے اُس نے کیا مراد لی ہے ؟ مثلاً ڈیموکریسی (Democracy) ایک ایسی اصطلاح ہے، جس کا اشتراکیت پسندوں کے نزدیک کچھ مفہوم ہے اور امریکہ اور یورپ اور بلادِ عربیہ کے لبرل حضرات کے نزدیک اس کا مفہوم بالکل مختلف ہے ۔

یہ بدیہی سوالات ہیں جن کی وضاحت ہونی چاہیے ۔ لیکن کسی محقق کے لیے یہ بہت آسان ہے کہ ان سے غفلت برت جائے ۔ تصنیفی انہماک ، مواد کے ملنے سے وفورِ مسرّت یا وقتی غفلت اس کا سبب ہو سکتی ہے ۔

اسی طرح بعض لوگوں کی یہ عادت بھی ہوتی ہے کہ ہر چیز کو شک کی نظر سے دیکھتے ہیں ۔ بہ الفاظ دیگر تشکیک کے نظریہ پر کاربند ہوتے ہیں یا یہ کہ کسی مخصوص جماعت یا نظریہ کے حامل اہل قلم کی باتیں تشکیکی معیار پر جانچتے ہیں اور ٹھیک اسی وقت مقابل کی دوسری جماعت کے نظریات و آراء بغیر کسی ردّ و کد کے تسلیم کرتے ہیں یا اُن سے چشم پوشی کرتے ہیں بحث و تحقیق کی دنیا میں یہ بدترین تعصب ہے ۔ یہ بھی ہوتا ہے کہ کوئی مصنّف کسی لچر دلیل کی تنقیح سے یکلخت چشم پوشی کر جاتا ہے کیونکہ وہ دلیل اس کے کام کی ہوتی ہے اور اس کے نظریہ کی تائید کرتی ہے ۔ اس طرح کا برتاؤ اہلِ تحقیق کے نزدیک ناپسندیدہ ہے اور کسی بھی محقق و مصنف کا علمی وقار

مجروح کرتا ہے ۔ اس لیے محقق کے لیے یہ نہایت ضروری ہے کہ جس طرح دوسروں کی آرار ونظریات سے اخذ واستنباط کے وقت وہ اپنی تمام تنقیدی وتحقیقی صلاحیتیں صرف کر دیتا ہے اور نہایت چوکنا رہتا ہے، خود اپنی تحریروں کے ساتھ بھی یہی معاملہ کرے، اور وہ تحلیل وتجزیہ کرتے ہوئے کسی تعصب یا جانبداری کا شکار نہ ہو ۔ اپنے مقاصد کے لیے حقائق کی توڑ مروڑ نہ کرے بلکہ خود حق کا مقتدی بن جائے جیسا کہ ہمارے اسلاف نے کہا ہے:

در مع الحق حیثما دار (چلو تو ساتھ چلو حق کے وہ جدھر بھی چلے)۔

اسلامی اور عرب ممالک سے متعلق مغربی ملکوں، جیسے فرانس وبرطانیہ جنھوں نے ان اسلامی اور عرب ملکوں پر حکومت کی ہے اور یہاں سے نفیس علمی ذخیرے اُڑا لے گئے ۔ اُن کی لائبریریوں اور علمی ذخائر میں آج بھی نہایت قیمتی قلمی نسخے اور دستاویزات محفوظ ہیں ۔ ان قلمی نسخوں اور دستاویزی شہادتوں کے کیٹلاگ، گائڈ یا ڈائریکٹری بھی اکثر شائع ہو چکی ہیں ۔ یہ کتب خانے ان مخطوطات کی حفاظت کا خاص اہتمام کرتے ہیں ۔ مغربی حکومتوں کا طریقۂ کار یہ ہے کہ سرکاری کاغذات اور فائلیں ایک خاص مدّت (مثلاً ۲۵ یا ۵۰ سال) کے بعد ریسرچ اسکالرز وغیرہ کے لیے کھول دیے جاتے ہیں ۔ یہ دستاویزات اور فائلیں، جن میں سے کچھ شائع بھی ہو چکے ہیں، اپنے عہد کے بعض ایسے حقائق کا انکشاف کر دیتے ہیں جو اب تک پردۂ خفا میں تھے، مثلاً عالم عرب کے بارے میں برطانوی سرکاری کاغذات جو کئی جلدوں میں چھپ چکے ہیں[۲۴]۔

یہ بھی تجربہ ہے کہ بسا اوقات نادر مخطوطات اور بڑے قیمتی تحقیقی سرمائے

آپ کے قریب ہی کسی کتب خانے میں محفوظ ہوں اور اس طرف ذہن نہ جاتا ہو۔ مثلاً دہلی میں جامعہ ملیّہ اسلامیہ اور نیشنل آرکائیوز وغیرہ۔ اسی طرح بمبئی میں گورنمنٹ ریکارڈ آفس میں خلیج عرب کے سیاسی اور تجارتی حالات کے بارے میں اہم دستاویزیں اور بیانات محفوظ ہیں کیونکہ برطانوی سامراجی عہد میں یہ علاقہ بمبئی کے تابع تھا۔ اسی طرح مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ اور نیشنل لائبریری کلکتہ میں بہت کچھ محفوظ ہے۔ اس کے علاوہ کچھ ایسے پرائیویٹ کُتُب خانے بھی ہیں جن کا کتابی سرمایہ بالخصوص مخطوطات میں حیرت انگیز ہے مثلاً لکھنؤ، سورت (گجرات) کے بعض کتب خانے، مکتبہ آصفیہ (حیدرآباد) خدا بخش لائبریری (پٹنہ) مخطوطات سے مالا مال ہیں۔ بہت سے کتب خانوں کے کیٹلاگ چھپے ہوئے ہیں، مثلاً مکتبہ آصفیہ، استنبول، قاہرہ، طہران، تاشقند اور لندن وغیرہ کے کتب خانے۔[۵]

قلمی نسخوں کا مطالعہ و تحقیق بجائے خود ایک فن ہے۔ یہاں آپ کی سہولت کے لیے چند ایسی کتابوں کی نشاندہی مناسب معلوم ہوگی جو خصوصاً عربی مخطوطات کے سلسلے میں آپ کی مدد کر سکیں۔ درج ذیل کتابیں ملاحظہ فرمائیں:

- صلاح الدين المنجد، رسالة فى تحقيق المخطوطات.
- عبدالسلام هارون، تحقيق النصوص ونشرها.
- عبدالهادى الفضلي، تحقيق النصوص والمخطوطات.

اگر آپ کسی خاندان یا شخص کی ذاتی ملکیت کی دستاویز یا قلمی نسخہ استعمال کر رہے ہیں تو چند باتیں ضرور یاد رکھیں۔ اوّل یہ کہ اِن کے تئیں آپ کا رویّہ تشکّرانہ اور شریفانہ ہو۔ دوسرے یہ کہ اُس شخص یا خاندان کے مجموعی

حالات کا بھی خیال رکھیں ۔ اس لیے خواہ مخواہ ان کے معمولات میں مخل نہ ہوں۔ اسی طرح یہ بھی یاد رکھیں کہ جو دستاویز آپ کے زیر استعمال و مطالعہ ہے اس کے ساتھ بے دردی کا معاملہ نہ کریں، مثلاً جہاں چاہا نشان زد کر دیا، جہاں سمجھ میں نہ آیا سوالیہ نشان لگا دیا، کہیں حاشیہ آرائی کر دی، وغیرہ وغیرہ ۔ بلکہ ایسی دستاویزات پر لکھنا ہی غلط ہے ۔ ہمیشہ اس قسم کی دستاویزات کو استعمال کرتے ہوئے سیاہی کے قلم کے بجائے پنسل[۵] کا استعمال کریں ۔ یہ بھی لازم ہے کہ ایسی دستاویزات کی ترتیب نہ بدلی جائے ۔ اگر آپ نے اس طرح کی کوئی حرکت کی تو صرف یہی نہیں کہ آپ متعلقین کے ساتھ ظلم کریں گے، بلکہ اپنے بعد آنے والے اہل تحقیق کے لیے بھی راستہ بند کر دیں گے ۔ نیز اس طرح کی دستاویزات کی اشاعت بھی ان کے مالکوں کی اجازت کے بغیر ہرگز نہیں کرنی چاہیے ۔ اور آخر میں یہ بھی یاد رہے کہ اُن کا تہِ دل سے شکر گزار ہونا آپ کا اخلاقی فرض ہے ۔ یہی نہیں بلکہ ہر اُس شخص کا شکریہ ادا کرنا آپ کا فرض ہے جس نے کسی بھی طرح سے مقالے کی تیاری میں آپ کی مدد کی ہے۔ کلماتِ شکر عموماً مقالے کے مقدمہ کے ختم پر یا علیحدہ "اعترافِ تشکر" Acknowledgements کے عنوان سے ایک سُرخی لگا کر لکھے جاتے ہیں۔

---

[۳] معهدالدراسات والأبحاث للتعريب (رباط ۱۹۸۶) نے ۳۵۰ صفحات پر اسے شائع کیا ہے۔

[۴] A. J. K. Esdaile, *National libraries of the world* (London 1957).

۳۳ے

G. Kitson Clark, *Guide for research students working on historical subjects* (Cambridge 1969) p. 30.

۳۴ے

Woodward & Butler (eds.), *Documents on British Foreign Policy 1919-1939*. First Series, London: HMSO, 1952.

۳۵ے لکھنؤ میں ناصریہ لائبریری کھجوہ شیعہ لٹریچر کے قلمی نسخوں کے لیے نہایت ممتاز ہے۔ رامپور کی رضا لائبریری کے عربی مخطوطات کی فہرست ۸ ضخیم جلدوں میں دائرۃ المعارف کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔ اس میں بعض قلمی نسخے ایسے ہیں جو ساری دنیا میں اور کہیں نہیں ہیں۔ یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ فارسی مخطوطات کی فہرست بھی شائع ہو چکی ہے۔ خدابخش لائبریری پٹنہ نے مفتاح الکنوز المخفیہ کے نام سے اپنی فہرست شائع کر دی ہے۔ یہ بھی ۴ ضخیم جلدوں میں بڑے سائز پر ہے۔ فارسی مخطوطات کا کیٹلاگ مرآۃ العلوم کے نام سے اب تک ۳ جلدوں میں شائع ہو چکا ہے۔ یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ حیدرآباد میں کتب خانہ دائرۃ المعارف العثمانیہ قدیم مطبوعہ کتابوں کے لیے نہایت اہم ہے۔ جو کتابیں بالعموم کہیں اور دستیاب نہیں ہیں وہاں مل جاتی ہیں۔ اس کے ساتھ ہی قدیم اہم کتابوں کی طبع جدید کے لیے یہ ادارہ ساری دنیا میں ممتاز ہے۔ عثمانیہ یونی ورسٹی کا مرکزی کتب خانہ اُن نادر کتابوں کا امین ہے جو عہد عثمانی میں مختلف زبانوں سے اردو میں ترجمہ ہوئیں۔ ۱۹۴۹ء میں کتب خانے میں آگ لگ جانے سے یہ قیمتی سرمایہ بیشتر ضائع ہو گیا۔ جو کچھ کسی طرح بچ سکا وہ آج بھی محفوظ ہے۔ ان کی تعداد بھی کم و بیش دس ہزار ہے (فاروقی)۔

۳۶ے بعض کتب خانے مثلاً انڈیا آفس لائبریری لندن میں سخت ہدایت ہے کہ صرف پنسل کا استعمال کریں (یہ نہایت عمدہ اصول ہے)۔

باب سوم

کچھ بنیادی مآخذ

اس باب میں ہم چند اہم اور بنیادی مآخذ کا ذکر کریں گے، خصوصاً غیر عربی زبانوں میں جن کا تعلق عربی و اسلامیات کے مطالعہ سے ہے۔ یہ مآخذ زیادہ تر غیر عربی زبانوں میں ہیں۔ اسلامیات اور عربی فن و ادب کے طالب و محقق کو ان مآخذ کی ضرورت بالعموم پڑتی ہے۔ یہاں ہمارا مقصد تمام مآخذ کا احاطہ نہیں ہے اور نہ ہی اس مختصر سی کتاب میں یہ ممکن ہے۔ مقصد صرف بعض اہم مآخذ کی نشاندہی ہے جو عام، مشہور اور بہت اہم و مفید ہیں۔ ریسرچ اسکالرز کو دوران تحقیق جن پیچیدہ مراحل سے گزرنا پڑتا ہے، اُن میں یہ تالیفات نہایت ممد و معاون ہوں گی۔ لیکن یہ اُمید نہ رکھیے کہ یہ مآخذ جن کا ذکر ہم آیندہ صفحات میں کریں گے، آپ کے متعین و محدود موضوع کے مآخذ کی فراہمی میں پوری طرح آپ کی مدد کریں گے اور آپ کا سارا مسئلہ حل کر دیں گے۔ نہیں۔ یہ مآخذ صرف کسی حد تک یا بڑی حد تک بحیثیت

ایک رِسَرچ اسکالر کے آپ کی مدد و رہنمائی کردیں گی کہ آپ فلاں فلاں فہرستِ کتابیات اور کیٹلاگ دیکھیں تو اس میں آپ کے موضوع سے متعلق مآخذ کی تفصیل مِل سکتی ہے۔

جہاں تک بنیادی مآخذ کی تلاش و نشاندہی کا سوال ہے تو کوئی کتاب، ڈائریکٹری یا کیٹلاگ یا محقق اس سلسلے میں پوری طرح آپ کی مدد نہیں کرسکتا۔ اس کے لیے خود آپ کو تلاش و جستجو کرنی ہوگی۔ کیونکہ بنیادی مآخذ کبھی ایسے حقائق سے بھی عبارت ہوتے ہیں جن کا عام کتب خانوں میں وجود بھی نہیں ہوتا جو کتابوں کی فہرست و مآخذ و مراجع اور ڈائریکٹری و کیٹلاگ وغیرہ شائع کرنے کا اہتمام کرتے ہیں۔

اس سلسلے میں ایک کام کی بات یہ ہے کہ اپنے موضوع سے متعلق جو کتابیں آپ کے زیرِ مطالعہ ہوں، اُن کے مقدمے ایک بار اچھی طرح پڑھ لیا کریں اور اُن کی فہرست کتابیات پر بھی اچھی نظر ڈال لیں۔ اس سے آپ کو اُن اہم مآخذ کا بڑی حد تک پتہ چل جائے گا جن سے زیرِ مطالعہ کتاب کی تصنیف میں استفادہ کیا گیا ہے۔ اس طرح آپ کو اپنے مقالے کے لیے اہم کتابوں اور مراجع کی فہرست تیار کرنے میں مدد ملے گی۔ مزید یہ کہ دشتِ تحقیق میں کن مراحل سے گزرنا ہوگا، اور کیا کیا مشکلات پیش آسکتی ہیں اور اُن سے آپ کیونکر عہدہ برآ ہوں گے، یہ ساری باتیں عموماً ایک مصنّف اپنی کتاب کے مقدمے میں لکھ دیا کرتا ہے۔ اس لیے اُس سے آپ فائدہ اٹھائیں۔

ایک محقق کی بڑی ذمّہ داری یہ ہے کہ پہلے وہ یہ معلوم کرے کہ اس

کے موضوع سے متعلق بنیادی مآخذ کہاں اور کیسے دستیاب ہوں گے۔ ایسی کتابیں یا مضامین جو موضوع سے متعلق ہوتے ہوئے بھی چنداں اہمیت کے حامل نہیں، اُن سے تو صرف نظر کیا جا سکتا ہے، لیکن وہ مآخذ و مصادر جن کا تعلق آپ کے موضوع سے براہِ راست اور گہرا ہو، ان سے عدم واقفیت ناقابل معافی ہے۔ یہ مآخذ خواہ کسی دوسری زبان ہیں، جسے آپ اچھی طرح نہیں جانتے، کیوں نہ ہوں اِن سے بھی استفادہ لازم ہے۔ اگر آپ وہ زبان نہیں جانتے تو پھر کسی اور سے مدد لیں جو اس زبان پر عبور رکھتا ہو۔[1]

فرہنگ کتابیات

سب سے پہلی چیز جس سے آپ کو اپنی رِیسَرچ و تحقیق میں مدد مل سکتی ہے وہ کتابوں کی تفصیلی فہرست ہے جسے ڈائرکٹری، کیٹلاگ یا اسی طرح کے کسی اور نام سے مطبوعہ اور مخطوطہ کتابوں کی فہرست کی حیثیت سے مع ضروری تفصیلات کے شائع کیا جاتا ہے۔ بالعموم اس کو ہم "ببلیوگرافی" کے نام سے جانتے ہیں۔ ببلیوگرافی اصل میں ہے کیا اور وہ آپ کی کتنی اور کس حد تک مدد کر سکتی ہے، یہ جاننے کے لیے اِسٹڈیل کی تالیف[12] "علم کے لیے فہرستِ کتابیات کی رہنما دستی کتاب" ملاحظہ فرمائیں۔

کچھ مخصوص ببلیوگرافیاں ایسی بھی ہیں جو ہر فن کی فہرستِ کتابیات کی فہرست و تفاصیل فراہم کرتی ہیں۔ اس طرح کی وسیع و محیط ببلیوگرافی دیکھ کر آپ اپنے موضوع سے متعلق فہرستِ کتابیات سے واقف ہو سکتے ہیں، مثال کے طور پر:

Theodore Besterman, *World bibliography of bibliographies* (Geneva 1955-6)

(فہرستہائے کتابیات کی عالمی فہرست)

Library of Congress, *Current national bibliographies* (Washington).

(حالیہ قومی فہرستِ کتابیات)

عربی و اسلامی علوم و فنون سے متعلق آجکل مختلف زبانوں میں ہر موضوع پر مخصوص فہرست کتابیات کثرت سے شائع ہو رہی ہیں۔ عرب ممالک کے تقریباً ہر ملک کے بارے میں بھی انگریزی زبان میں فہرستِ کتابیات (ببلیوگرافی) شائع ہو چکی ہے۔ اگر آپ اپنا موضوع بحث متعین طور پر جانتے ہیں تو آپ بڑی آسانی سے اِن فہرستوں کی مدد سے اپنے موضوع سے متعلق کافی کتابوں تک رہنمائی حاصل کر سکتے ہیں اور ان فہرستوں سے پوری طرح استفادہ کر سکتے ہیں۔

بعض ایسی کتابوں کا، جو اپنی وسعت و ہمہ گیری کی وجہ سے انسائیکلوپیڈیا یا دائرۃ المعارف کا درجہ رکھتی ہیں، فہرست مآخذ و اشاریات (انڈکس) بھی مرتّب کی گئی ہے۔ اس طرح کی کتابوں میں کتاب الأغانی کا انڈکس، جسے گویڈی نے مرتب کیا ہے، درج ذیل ہے:

I. Guidi, *Tables alphabétiques du Kitâb al-Aghânî* (Leiden 1895-1900).

مرتّب نے کتاب الأغانی مطبوعہ بولاق پریس کو سامنے رکھ کر یہ فہرست تیار کی ہے۔ عربی ادب اور فقہ و حدیث سے متعلق دیگر اہم کتابوں کی بھی

اس طرح کی فہرستیں، یعنی اشاریے، ترتیب دیئے جا چکے ہیں۔ اِن اشاریوں سے قاری کسی عبارت یا مخصوص موضوع کی تلاش کے لیے سیکڑوں صفحات کی ورق گردانی کی زحمت سے بچ جاتا ہے، اور اشاریوں کی رہنمائی میں مطلوبہ موضوع یا عبارت تک فوراً رسائی ہو جاتی ہے۔ اسے آجکل انڈکس Index کے نام سے عام طور پر لوگ سمجھتے اور جانتے ہیں۔ اس قسم کے کچھ اہم انڈکس اب کمپیوٹر میں محفوظ کر دیے گئے ہیں تاکہ ہر شخص اس سے بسہولت استفادہ کر سکے۔

یورپین زبانوں میں موجود بیشتر حوالوں تک رسائی کے لیے مندرجہ ذیل رہنما تالیفات ملاحظہ فرمائیں:

1. A.J. Walford (ed.), *The Guide to reference material* (2nd ed., Chicago 1969);
2. Constance M. Winchell (ed.), *Guide to reference books* (8th ed., Chicago 1968).
3. C.L. Geddes, *Guide to refrence books for Islamic studies* (Denver, Colorado 1985).

مؤخر الذکر تالیف عربی و اسلامی علوم و فنون پر بالخصوص یورپین زبانوں میں تصنیف شدہ بنیادی مآخذ کا ایک قیمتی خزانہ ہے۔ بعض فارسی و عربی مآخذ کی تفصیل بھی اس میں موجود ہے۔

بہت سے ممالک اپنے یہاں شائع ہونے والی کتابوں کا سالانہ کیٹلاگ شائع کرتے ہیں۔ یہ فہرست اُن تمام تخلیقات کی تفصیل پیش کرتی ہے جو اُسی سال یا اُس درمیانی وقفہ میں متعینہ ملک میں منظرِ عام پر آئی ہوں۔ مثال کے

طور پر :

British National Bibliography

(فہرست کتابیات برطانیہ)

یہ رپورٹ ۱۹۵۰ء سے ہر سال لندن سے مجلس برائے قومی فہرست کتابیات برطانیہ Council of British National Bibliography کے زیر اہتمام شائع ہوتی ہے۔

نیویارک میں ایک امریکی کمپنی اُن تمام تصنیفات کی تفصیلی رپورٹ شائع کرنے کا اہتمام کرتی ہے جو امریکہ اور برطانیہ میں شائع ہوتی ہیں۔ اس رپورٹ کا نام *Cumulative Book Index* ہے۔

اس قسم کی فہرست اور رپورٹ کچھ بڑی لائبریریاں وقفے وقفے سے شائع کرتی رہتی ہیں۔ جیسے امریکن کانگریس لائبریری وغیرہ۔ عہد حاضر میں امریکن کانگریس لائبریری کی فہرست اس میدان میں سب سے ممتاز ہے۔ جدید مطبوعات کی وسیع تر فہرست اِس جیسی کہیں اور میسّر نہیں ہے۔

بعض اخبارات وجرائد کی فہرست بھی مرتب کی جاچکی ہے۔ ان میں بعض اخبارات کبھی نکلا کرتے تھے اور بعض اب بھی نکل رہے ہیں۔ اس طرح کی فہرستوں میں مندرجہ ذیل کافی اہمیت کی حامل ہیں :

J.D. Stewart (ed.), *The British union-catalogue of periodicals*
(برٹش یونین کیٹلاگ برائے اخبارات وجرائد)

W.F. Poole, *An Index to periodical literature*
(مجلات وجرائد کا انڈکس)

موخرالذکر ۱۹۰۸ء سے قبل شائع ہونے والے اخبارات و رسائل کی تفصیل فراہم کرتا ہے۔

کتابوں کی فہرست (کیٹلاگ) کے ضمن میں جو کام ہوئے ہیں، اُن میں کچھ اتنے اہم ہیں کہ عربی اور اسلامیات پر کام کرنے والے کسی محقق یا ریسرچ اسکالر کا اِن جلیل القدر تالیفات سے استغنا ممکن نہیں ہے۔ اِن میں سے بعض اہم تالیفات کا ذکر قدرے تفصیل سے یہاں کیا جا رہا ہے:

۱۔ ابن الندیم، الفهرست: یہ ۳۷۷ھ کی تالیف ہے۔

۲۔ طاش کبریٰ زادہ (متوفی ۹۶۸ھ)، مفتاح السعادة اور مصباح السیادة؛

۳۔ حاجی خلیفہ (متوفی ۱۰۶۷ھ)، كشف الظنون عن أسامي الكتب والفنون؛

۴۔ اسماعیل باشا البابانی البغدادی (متوفی ۱۳۳۹/ ۱۹۳۰)، إيضاح المكنون في الذيل على كشف الظنون (یہ کتاب كشف الظنون کے بعض مقامات کا استدراک یعنی اس کی توضیح و تصحیح و تکمیلِ مزید ہے)۔ اس کے علاوہ اس موضوع پر مصنف موصوف کی دوسری تصنیف هدية العارفين کے نام سے معروف اور متداول ہے۔

۵۔ G. Pfannmüller, *Handbuch der Islam-literatur*

فان مُلرؔ کی مذکورہ بالا تالیف ۱۹۲۲ء سے قبل ادب اسلامی پر جو کام ہوئے ہیں، ان کا احاطہ کرتی ہے۔

۶۔ ایڈورڈ فنڈیک اور محمد علی الببلاوی کی تالیف اكتفاء القنوع مطبوعہ قاہرہ ۱۸۹۷ء۔

۷۔ یوسف الیان سرکیس، جامع التصانیف الحدیثة (مطبوعہ قاہرہ ۱۹۲۹ء)
اور معجم المطبوعات العربیة والمعربة (مطبوعہ قاہرہ ۱۹۲۸ء)۔ مؤخرالذکر
کتاب پریس کی ایجاد کے بعد ۱۹۲۷ء تک عربی میں شائع ہونے
والی کتابوں کی فہرست فراہم کرتی ہے۔

۸۔ عمر رضا کحالة، معجم المؤلفین مطبوعہ دمشق ۱۹۵۷ء۔ یہ کتاب ۱۵ ضخیم
جلدوں میں ہے۔ تصنیفات کی تفصیل کے ساتھ ہی مصنفین کے حالاتِ
زندگی بھی اس میں درج ہیں۔

۹۔ عبدالکریم الأمین اور زاہدة ابراہیم، دلیل المراجع العربیة (یعنی عربی
مآخذ کی رہنما)۔

۱۰۔ محمد ماہر حمادة، المصادر العربیة والمعربة (ط ۲ : بیروت، موسسة الرسالة،
۱۹۸۰) (عربی یا عربی میں ترجمہ کیے گئے مآخذ کی بلیوگرافی)۔

عربی ادبیات کی فہرستِ کتابیات مندرجہ ذیل تصانیف میں ملیں گی:

— عربی لسانیات کے ماہرین کی فہرستِ کتب

M. H. Bakalla, *Bibliography of Arabic Linguists*, London: Mansell, 1975, 300+8 pp;

— حوالہ جاتی ادب برائے مطالعاتِ عربی

Gustav Meiseles, *Reference literature to Arabic studies* (Tel Aviv 1978).

مذکورہ کتاب ایک جلد میں ہے اور عربی میں تاریخ، فقہ، شریعت،
فنون و ادب اور علم لسانیات پر لکھی جانے والی کتابوں کی تفصیل پیش کرتی ہے۔

تاریخِ ادبیاتِ عربی

عربی ادب اور اسلامیات کے محقق و ریسرچ اسکالر کے لیے مشہور جرمن مستشرق بروکلمان کی عظیم الشان تالیف "تاریخ ادبیات عربی" غیر معمولی اہمیت کی حامل ہے۔ *Geschichte der arabischen Literatur* کے نام سے شائع ہونے والی یہ کتاب پانچ ضخیم جلدوں (۲ اصل، ۳ جزء اضافی) میں جرمن زبان میں ہے۔ اس کا پہلا ایڈیشن ۱۸۹۹۔۱۹۰۸ء کے درمیان شائع ہوا۔ دوسرا ایڈیشن مع اضافہ ۱۹۳۷۔ ۱۹۴۹ء کے درمیان شائع ہوا۔ پہلے ایڈیشن کے لیے علامتی لفظ *GAL1* کا استعمال کرتے ہیں اور دوسرے ایڈیشن کے لیے *GAL2* استعمال کرتے ہیں اور باقی اجزاء ملحقہ کے لیے *GAL Suppl* کی تعبیر رائج ہے۔

عرب لیگ کی سرپرستی میں کام کرنے والا ادارہ المنظمة العربية للتربية والثقافة والعلوم (عرب تنظیم برائے تعلیم و ثقافت و علوم) نے اس عظیم تالیف کا ترجمہ بہ زبان عربی کرانے کی ذمہ داری اپنے سر لی اور اسے دار المعارف قاہرہ نے متعدد اجزاء میں تاریخ الأدب العربي کے نام سے شائع کیا ہے۔ متعدد اجزاء میں یہ ترجمہ میری معلومات کے مطابق مکمل نہیں ہوسکا ہے۔ مترجمین نے تحقیق و حواشی پر بہت محنت کی اور بروکلمان کی اصل کتاب میں جو اندراجات غلط ہوگئے تھے انھیں درست کیا۔ بہ ظاہر یہ کتاب ادب عربی کی تاریخ معلوم ہوتی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہر وہ علم و فن و صنعت جس پر عربوں اور

مسلمانوں نے عربی زبان میں لکھا بروکلمان نے اُن تمام کا احاطہ کیا ہے۔ حیرت اس بات پر ہے کہ ایسا عظیم و محیط کارنامہ ایک فردِ واحد نے جرمنی میں بیٹھے بیٹھے کر دکھایا اور جمع معلومات کے لیے کوئی سفر کسی بیرونی ملک کا نہیں کیا۔ بروکلمان کا یہ کام نہ صرف اوّلین تھا بلکہ امکانی حد تک تمام مآخذ کو محیط بھی تھا۔ لیکن زمانے نے ثابت کیا کہ وہ بھی درحقیقت جامع الجوامع نہیں تھا اور عالمِ اسلام اور دوسرے علاقوں کے کتب خانوں کے ذخیروں کا احاطہ اس میں پوری طرح نہیں ہو سکا تھا کیونکہ بعض کی فہرستیں اس وقت تک شائع نہیں ہوئی تھیں۔

لائبریریوں اور بڑے کتب خانوں نے جب اپنی مطبوعات و مخطوطات کی فہرستیں شائع کرنی شروع کیں تو مزید انکشافات ہوئے۔ چنانچہ فرینکفرٹ یونی ورسٹی کے ایک ترک استاذ و محقق فواد سزگین کے لیے اس راہ میں مزید آگے بڑھنا ممکن ہو سکا اور انھوں نے بروکلمان کے نہج پر ایک علیٰحدہ تالیف مرتب کی جس میں بروکلمان کی اصل کتاب کے دوسرے ایڈیشن کے بعد جو نئی کتابیں دریافت ہوئی تھیں اُن کا بھی احاطہ کیا گیا۔ مصنّف موصوف فرانکفورٹ یونی ورسٹی جرمنی میں پروفیسر ہیں۔ اس کتاب کا نام عربی مخطوطات کی تاریخ ہے۔ اصل کتاب کا نام ہے:

Fuat Sezgin, *Geschichte des arabischen schrifttums*

یہ کتاب لائڈن (ہالینڈ) سے ۱۹۶۸ء میں شائع ہونا شروع ہوئی اور اس کے ۸ اجزا ر ۱۹۸۵ء تک شائع ہو چکے تھے۔ یہ کتاب علوم قرآنیہ، احادیث نبویہ، سنّت، شرعی علوم، تاریخ، تصوّف، شعر، علوم لغت سازی (lexicography)،

ریاضیات، علم ہیئت، تنجیم، فزیکل سائنس اور طب وغیرہ پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب GAS کے علامتی نام سے معروف ہے۔ قاہرہ کا مشہور اشاعتی ادارہ الهيئة المصرية العامة للكتاب نے اس کا عربی ترجمہ ۱۹۷۷ء میں تاريخ التراث العربي کے عنوان سے شروع کیا۔ میرے علم کے مطابق ترجمہ اب تک مکمل نہیں ہو سکا ہے۔

بروکلمان کی کتاب کی طرح یہ کتاب بھی صرف عربی ادب کی علمی باقیات تک محدود نہیں ہے جیسا کہ اس کے نام سے دھوکا ہو سکتا ہے۔ بلکہ وہ اسلامی ثقافت اور علوم وفنون کے جملہ انواع و اقسام (جو ۴۳۰ھ/۱۰۴۰ء تک وجود پذیر ہوئے) کو محیط ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ یہ عظیم کارنامہ ابن الندیم کی مشہور زمانہ تالیف الفهرست (تالیف ۳۷۷ھ) کی جدید ترین شکل ہے۔ ابن الندیم کے بعد طاش کبری زادہ نے مفتاح السعادة، اور حاجی خلیفہ نے كشف الظنون تالیف کی اور اسماعیل بغدادی نے هدية العارفين ترتیب دی۔ یہ سب اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔

اسلامی علوم وفنون کے مختلف شعبوں میں علمی کارناموں کی گرانقدر معلومات اور مصنّفین کے حالات اور مقام تصنیف وغیرہ کے تفصیلی ذکر کے ساتھ ہی فوآد سزگین کی کتاب اُن کتب خانوں کی سیر بھی کراتی ہے جن میں کسی طرح کے بھی عربی مخطوطات محفوظ ہیں۔ یہ معلومات جرمن ایڈیشن کے صفحہ ۷۰۶-۷۶۹ (جلد اوّل) میں فراہم کی گئی ہیں۔ باقی اجزاء کے آخر میں بھی اسی طرح کی معلومات مہیّا کی گئی ہیں۔ عربی مخطوطات کے طالب و محقق کے لیے اس عظیم شاہکار سے استغناء ممکن نہیں۔

مذکورہ بالا فہرستِ کتابیات ہویزمان کی تالیف (دنیا میں عربی مخطوطات) سے مشابہ ہے۔ ہویزمان کی کتاب کا نام ہے:

A. J. W. Huisman, *Les Manuscrits arabes dans le monde: une bibliographie des catalogues* (Leiden 1967)

یہ کتاب ایک جلد میں ہے۔ کورکیس عواد کی کتاب فهارس المخطوطات العربية فى العالم (مطبوعہ کویت ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۴ء) بھی اسی زُمرے میں آتی ہے۔ اس طرح کے کارناموں میں دارالفرقان، لندن سے شائع شدہ کتاب *World survey of Islamic manuscripts* بھی ممتاز ہے۔

بروکلمان کی کتاب کے طرز پر ایک دوسری تالیف بھی ہے جو صرف اُن علمی کارناموں کا احاطہ کرتی ہے جو عربی و اسلامی ادبیات میں عیسائیوں نے تصنیف کی ہیں۔ اور وہ ہے مشہور عیسائی عالم جی گراف کی مندرجہ ذیل ۵ جلدوں پر مشتمل تالیف:

G. Graf, *Geschichte der christichen arabischen Literatur*

فارسی زبان میں اسلامک اسٹڈیز کے چند مآخذ

اسلامی ادبیات کے لیے عربی کے بعد فارسی دنیا کی دوسری وسیع و ہمہ گیر زبان ہے، جس میں اسلامی ثقافتی سرمایہ محفوظ ہے۔ بلادِ اسلامیہ کے مشرقی حصے پر فارسی زبان ہی کا رواج رہا ہے۔ ہندستان بھی موجودہ صدی سے پہلے اس کے علاقۂ نفوذ میں داخل تھا۔ سٹوری نے اپنی مندرجہ ذیل تالیف

میں ان تصانیف کو منضبط کر دیا ہے :

C. A. Storey, *Persian literature: a bibliographical survey* (ادبیات فارسی : ایک کتابیاتی جائزہ)

اس کتاب میں عربی سے فارسی میں ترجمہ کی ہوئی کتابوں کی تفصیل بھی فراہم کر دی گئی ہے ۔ مثلاً امام ابوجعفر طبری کی تفسیر اور تاریخ جن کا عربی سے فارسی میں ترجمہ ہوا ہے ۔ اس کتاب کا نیا ایڈیشن روسی زبان میں یو. بریگل Yu. Bregel نے شائع کیا، جس میں اصل کتاب میں جو کمی تھی وہ پوری کر دی گئی ہے اور جو کتابیں سٹوری کے احاطہ سے رہ گئی تھیں انھیں شامل کیا گیا ہے ۔

اسلامی ایران کے علمی سرمائے کا احاطہ کرنے والی اہم فہرستِ کتابیات میں سے چند کا ذکر درج ذیل ہے ۔

- L. P. Elwell-Sutton (ed.), *Bibliographical guide to Iran* (Brighton 1983);

- خان بابا مُشار : مؤلفین کتب چاپی فارسی و عربی

اسلام سے قبل ایرانی ثقافت کے بارے میں تصنیفی سرمائے کے لیے ملاحظہ کریں پیرسن کی تالیف :

Pearson, *A Bibliograhy of pre-Islamic Persia* (London 1975)

فارسی کے علمی رسائل و مجلات میں ۱۹۱۰ء کے بعد سے مطبوعہ مقالات کی تفصیل ایرج افشار نے اپنی تالیف فہرست مقالات فارسی *(Index Iranicus)* میں جمع کر دی ہے ۔ اسی مصنف کی دوسری

تالیف فهرست مقالات ایرانشناسی در زبان عربی ہے، جس میں اُن مقالات وکتب کی تفصیل جمع کر دی گئی ہے، جو ایران اور ایرانیات پر عربی زبان میں لکھے گئے ہیں۔

ہندستان میں اسلام اور اسلامیات پر بہت کچھ مختلف زبانوں میں لکھا گیا ہے۔ لیکن یہ تمام علمی سرمایہ اب تک یکجا نہیں کیا جا سکا ہے۔ چند کتابیں اس سلسلے میں اب تک سامنے آئی ہیں جو صدیوں پر پھیلے ہوئے اسلامی ہند کے علمی مآثر کی تاریخ و تدوین کے لیے معتبر و اہم ہیں۔ اِن میں شیخ اکرام کی تین کتابیں رُود کوثر، موجِ کوثر اور آبِ کوثر، جو اردو زبان میں ہیں، بالخصوص قابلِ ذکر ہیں۔ لاہور اور دہلی سے یہ کتابی سلسلہ کئی بار شائع ہو چکا ہے۔ انگریزی میں اس کے ایک حصّہ کا ترجمہ بھی ہو چکا ہے[۳۲]

پیرسن کی فہرستِ اسلامی

عصرِ حاضر میں مجلّات میں مطبوعہ اسلامی ادبیات پر سب سے جلیل القدر کارنامہ پیرسَن کی تالیف ہے جس کا نام "فہرستِ اسلامی" ہے:

J.D. Pearson, *Index Islamicus*

اِس ضخیم تالیف میں، جو کئی جلدوں پر مشتمل ہے، مؤلف نے وہ مقالات اور علمی کتابچے، جو مختلف یورپین زبانوں میں اسلامیات پر تحریر کیے گئے اور شائع ہوئے ہیں، جمع کر دیے ہیں۔ اِن میں ایسے مجموعات کا ذکر بھی ہے جن میں مختلف مصنّفیں کے مقالات جمع کیے گئے ہیں۔ یہ کتاب ۱۹۰۶ء

کے آغاز سے اِن مقالات اور کتابچوں کا احاطہ کرتی ہے۔ پہلی جلد ۱۹۰۶ء سے ۱۹۵۵ء تک کا احاطہ کرتی ہے۔ پھر ہر پانچ سال کی تصنیفی تفصیلات الگ الگ جلدوں میں شائع ہونے لگیں۔ یہ عظیم تالیف اب سہ ماہی رسالہ کی شکل میں ۱۹۵۸ء سے شائع ہو رہی ہے۔ یہ سہ ماہی ایڈیشن اِس وقت کیمبرج یونی ورسٹی لائبریری کی زیرِ نگرانی نکل رہا ہے اور عمان (اُردن) کی سرکاری تنظیم مؤسسة آل البيت اس کی مالی کفالت کرتی ہے۔ مذکورہ شاہی تنظیم المجمع الملكي لبحوث الحضارة الإسلامية کے نام سے بھی مشہور ہے۔ عالمی سطح کا یہ گراں قدر سہ ماہی میگزین مندرجہ ذیل پتے سے حاصل کیا جاسکتا ہے:

Bauker-Saur, Maypole House, Maypole Road, East Grinstead, West Sussex RH19 1HU, UK

اس میگزین کا موجودہ سالانہ زرِ اشتراک ۳۲۰ اسٹرلنگ پاؤنڈ یا ۴۸۰ ڈالر ہے۔ میگزین کی ضخامت کے لحاظ سے یہ قیمت بہت زیادہ ہے۔ معلوم نہیں کہ اس پروجیکٹ کی مالی کفالت کرنے والوں نے یہ قیمت کیونکر رکھنے دی ہے کیونکہ عام قاری تو کیا عالمِ اسلام کی بڑی بڑی لائبریریاں اور علمی مراکز بھی اتنا زیادہ زرِ اشتراک ادا کرنے سے قاصر ہیں۔ اس مجلہ کے ۱۹۰۶ سے ۱۹۹۶ تک کے شمارے سی ڈی روم CD-ROM پر ۱۹۹۵ پاؤنڈ اسٹرلنگ میں دستیاب ہیں۔

لیکن اس حقیقت سے انکار بھی مشکل ہے کہ اسلامیات اور عربی ادبیات کی کسی نوع اور کسی بھی میدان میں تحقیق کرنے والے کے لیے اس

جلیل القدر انڈکس سے بے نیازی مشکل ہے۔ مختلف مستقل ذیلی عنوانات کے تحت اس انڈکس میں مقالات اور کتابچوں کی تصنیفات کی تفصیل دی جاتی ہے۔ آپ جس موضوع پر کام کر رہے ہیں اس سے متعلق ماخذ کا پتہ بہت آسانی سے آپ کو مل جائے گا۔ آپ اپنے موضوع سے متعلق مخصوص ذیلی عنوانات پر، جن کی تفصیل پہلی اور بعد کی جلدوں میں دی ہوئی ہے، ایک نظر دیکھ ڈالیں اور پھر شروع کی جلدیں اور بعد میں نکلنے والے ہر چہار شمارے دیکھیے۔ آپ کے موضوع سے متعلق مجلّات اور کتابچوں میں شائع شدہ مواد بہ آسانی مل جائے گا۔

تحقیقی و علمی مقالات اور کتب کی کوئی ایسی جامع و بسیط فہرست کاش اسلامی ادب کی زبانوں مثلاً عربی، فارسی، اردو اور ترکی وغیرہ میں بھی ہوتی! پتہ نہیں کتنے عظیم علمی و تحقیقی مقالے، اسلامی ادبیات پر شائع ہونے والے رسائل و مجلّات کے سینوں میں دفن ہیں، جو اپنی اہمیّت کے اعتبار سے اُن کتابوں سے کسی طرح کم نہیں، جو اِس دوران شائع ہوئی ہیں یا جن کی فہرست بنائی گئی ہے۔ ایک مستشرق نے یہ عظیم کام کم از کم عربی مجلّات کے تئیں سرانجام دینے کی ہمّت کی لیکن تکمیل اس کا مقدر نہ تھی۔ اس نے ۱۹۶۱ء کے ۳۳ عربی مجلّات کے مقالات کی فہرست تیار کی۔ مذکورہ مستشرق کا نام اور تالیف درج ذیل ہے:

J. F. P. Hopkins, *Arabic periodical literature (1961)*

ملیشیا کے دارالحکومت کوالالمپور سے شائع ہونے والا میگزین

پیریوڈیکا اسلامیکا *Periodica Islamica* ۱۹۹۷ء میں دم توڑ گیا۔ چند ممتاز مسلم دانش وروں کے زیر نگرانی ۱۹۹۰ء سے طبع ہونے والا یہ ممتاز مجلّہ اُن تحقیقی مقالات کے عنوانات کا احاطہ کرتا تھا جو مختلف زبانوں (بالخصوص انگریزی) میں نکلنے والے اسلامی رسائل و مجلّات میں شائع ہوتے تھے۔

یہ کتابیاتی میگزین بالعموم اسلامی مجلّات کے مقالات کی تفصیل جمع کرتا تھا۔ جب کہ اس کے برعکس پیرسن نے اپنے کام کا دائرہ بالعموم مستشرقین کے مضامین و مقالات کی تفصیل و ترتیب و جمع کو بنایا تھا۔ اس میگزین کا سالانہ زر اشتراک عام قاری کے لیے ۴۰ ڈالر تھا۔ ناشر کا پتہ حسب ذیل ہے:

Periodica Islamica, 22 Jalan Liku,
59100 Kuala Lumpur, Malaysia.

اپنی علمی اہمیّت کے باوجود یہ میگزین بعض نقائص سے پاک نہیں تھا' مثلاً ہر میگزین یا رسالے میں شائع ہونے والے مقالات و مضامین کی فہرست وہ علیحدہ علیحدہ جمع کرتا تھا۔ جب کہ ہونا یہ چاہیے تھا کہ ایک جلی سرخی کے تحت ایک قسم کے سارے مقالات اور تحقیقی مضامین کی فہرست جمع کر دی جاتی جیساکہ پیرسنؔ نے اپنی فہرست اسلامی (جس کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے) میں کیا ہے۔ اسی طرح کا ایک مجلّہ بیروت سے ۱۹۸۱ء میں شائع ہونا شروع ہوا جو مختلف عربی رسائل و مجلّات میں شائع ہونے والے مقالات و مضامین کی فہرست کو کلیدی موضوعات کے تحت جمع کرتا تھا۔ اس مجلّہ کا نام "الفہرست" تھا۔ اور پتا یہ تھا:

پوسٹ باکس نمبر ۱۴/۵۹۶۸ - بیروت

بدقسمتی سے اب یہ اہم اور نہایت مفید رسالہ بھی نکلنا بند ہوگیا۔ ان دونوں مفید مجلّوں کی وفات کا سبب غفلت ولاپرواہی کا وہ سلوک ہے جو دوررس تہذیبی اور تمدنی منصوبوں کے تئیں ہمارا وطیرہ بن چکا ہے۔ ہماری حکومتیں ملک کے اندر حقیقی اور وہمی دشمنوں سے نبرد آزما ہیں اور باہر کے حقیقی دشمنوں سے رواداری کا رویہ رکھتی ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ہم خود اپنے سب سے بڑے دشمن ہیں اور مورد الزام ٹھہراتے ہیں سامراج اور مغرب کو۔

۱۹۸۹ء میں خلیجی ملکوں کے میڈیا ڈاکیومینٹیشن سنٹر (مرکز التوثیق الإعلامي لدول الخليج) نے كشاف الدوريات العربية (١٨٧٦-١٩٨٤) کے نام سے ایک انڈکس ۴ جلدوں میں شائع کیا۔ اس میں ۱۸۷۶ - ۱۹۸۴ء کے دوران عربی زبان میں شائع ہونے والے رسائل و مجلّات کے مضامین کی تفصیل جمع کر دی گئی ہے۔

اسلامی دائرۃ المعارف

اسلامیات و عربی ادبیات کے موضوعات و مآخذ کے لیے ایک بہت اہم ماخذ Encyclopaedia of Islam ہے جو برل نامی پبلشنگ کمپنی واقع لائڈن (ہالینڈ) سے انگریزی اور فرانسیسی زبانوں میں شائع ہوتا ہے۔ اس کا جدید (یعنی دوسرا) ایڈیشن اعادہ اور نظرثانی کے بعد طبع ہو رہا ہے۔ اس میں بالعموم نئے مقالات و مضامین شائع ہو رہے ہیں۔ ساتھ ہی پہلے

ایڈیشن کے کچھ پُرانے مقالات و مضامین بھی اس میں موجود ہیں۔ طبع اوّل (قدیم) کے لیے EI1 کی علامت اور طبع جدید (ثانی) کے لیے EI2 کی علامت استعمال کی جاتی ہے۔ دوسرا ایڈیشن ابھی جاری ہے۔

اس انسائیکلو پیڈیا کی خصوصیت یہ ہے کہ کسی موضوع پر بنیادی معلومات فراہم کرنے کے ساتھ ہی (یہ معلومات بالعموم مقالہ نگار کے فکری رنگ میں رنگی ہوتی ہیں اور یہ مقالہ نگار بھی عموماً مستشرقین ہوتے ہیں)، ہر مضمون کے آخر میں مقالہ نگار اُن مآخذ و مراجع کی پوری تفصیل درج کرتا ہے جہاں سے اس نے معلومات فراہم کی ہیں یا جن سے مزید معلومات مل سکتی ہیں۔ یہ کتابیاتی فہرست آپ کے لیے نہایت ممد و معاون ہے۔ اس کی مدد سے آپ اصل مآخذ تک پہنچ سکتے ہیں۔ یعنی اپنے موضوع کے لیے مآخذ کے نام اور تفصیلات یہاں سے معلوم کر کے اصل کتاب یا ماخذ کا مطالعہ کریں۔

انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کے پہلے ایڈیشن کا انڈکس شائع نہیں کیا گیا ہے لیکن دوسرے (جدید) ایڈیشن میں انڈکس بھی شامل ہے اور ہر نئی جلد کے ساتھ اشاریہ کا اہتمام بھی کیا جارہا ہے اور یہ کام مسلسل جاری ہے۔

مصری فضلاء و محققین کی ایک جماعت نے اس دائرۃ المعارف کے پہلے (قدیم) ایڈیشن کا عربی ترجمہ کرنا شروع کیا تھا۔ اس کے کئی جز دارالشعب (قاہرہ) سے شائع بھی ہوئے ہیں۔ لیکن یہ کام پورا نہیں ہو سکا ہے۔ اس کی وجہ بھی وہی ہے جو اوپر مذکور ہوئی یعنی تہذیبی منصوبوں کی طرف سے ہماری جانی پہچانی غفلت اور نظر اندازی اور ساتھ ہی سہولت پسندی کا مزاج جو کسی صبر آزما طویل المدتی کام کرنے میں مانع رہا ہے۔

ایک دوسرا اسلامی انسائیکلوپیڈیا ترکی دائرۃ المعارف الاسلامیہ İslam Ansiklopedisi ہے، جس کے لیے علامتی لفظ (İA) استعمال کرتے ہیں۔ اس انسائیکلوپیڈیا کے مضامین بالعموم انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے پرانے ایڈیشن کا ترجمہ ہوتے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس میں بالکل نئے مقالات بھی ہوتے ہیں۔ بعض ترجمہ شدہ مقالات بھی تنقیح و اضافہ کے ساتھ شائع ہوتے ہیں بشرطیکہ ان کا تعلق ترکی یا ایسے ایرانی و فارسی موضوعات سے ہو جن میں ترکیوں کو دلچسپی ہے۔ اس لحاظ سے ایسے مقالات خصوصی اہمیّت کے حامل ہوتے ہیں۔

اردو زبان میں بھی انسائیکلوپیڈیا آف اسلام (قدیم ایڈیشن) کا تنقیح و اضافہ کے ساتھ ترجمہ ہوا ہے، جو دائرۂ معارف اسلامیہ کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اس کو پنجاب یونی ورسٹی لاہور کے دائرۃ المعارف الاسلامیہ نامی ادارہ نے ۲۵ جلدوں میں شائع کیا ہے۔ اس کے ترجمہ اور اشاعت میں بھی ۲۵ سال لگے ہیں۔

پچھلے چند سالوں سے امریکا میں ایک ایرانی انسائیکلوپیڈیا Encyclopaedia Iranica شائع ہونا شروع ہوا ہے، جس کے ایڈیٹر معروف ایرانی محقق یار شاطر ہیں۔ حوالوں میں اس کا ذکر EIr کے رمز سے کیا جاتا ہے۔ اس انسائیکلوپیڈیا میں نئے مقالات ہوتے ہیں۔ اس کا دائرہ ایرانی موضوعات تک محدود نہیں ہے، بلکہ اس میں عربی لٹریچر اور تاریخ کے اُن پہلوؤں کا بھی احاطہ کیا جاتا ہے جن کا تعلق بلادِ فارس سے رہا ہے۔ اُن کثیر التعداد فارسی شخصیات کا بھی اس میں تذکرہ ہوتا ہے جنھوں

نے اوائل اسلام میں بکثرت عربی زبان کو اپنی نگارشات کے لیے اپنایا۔ اب بھی ایران کے بہت سے شیعہ علماء عربی زبان میں لکھتے ہیں۔ انقلاب اسلامی کے بعد سے ایران میں عربی زبان کو خصوصی اہمیت دی گئی ہے اور وہ عربی الفاظ دوبارہ فارسی زبان میں رائج ہو گئے ہیں جن کو گزشتہ عہد میں کوشش کر کے فارسی زبان سے نکال باہر کیا گیا تھا۔ ایران میں اسلامیات پر کئی قابل قدر اور معتبر اسلامی مجلات بھی شائع ہوتے ہیں مثلاً التوحید اور تراثنا ۔

ایران سے ایک " عظیم اسلامی دائرۃ المعارف " *The Great Islamic Encyclopaedia* بھی شائع ہونا شروع ہوا ہے ۔ اس انسائیکلوپیڈیا کے ایڈیٹروں کا کہنا ہے کہ وہ شیعی غلو سے پاک ہے اور اسلامی مسائل پر کسی فقہی مذہب سے متاثر ہوئے بغیر غیر جانبدارانہ نظر رکھتا ہے[۳]۔ جنوبی ہندستان کی ریاست کیرالا میں بھی ایک اسلامی انسائیکلوپیڈیا مقامی ملیالی زبان میں شائع ہو رہا ہے ۔ اسی طرح بعض دوسرے علاقوں میں مقامی ضروریات کے لحاظ سے انسائیکلوپیڈیا تیار کیے جا رہے ہیں یا کسی مغربی انسائیکلوپیڈیا کا ترجمہ شائع کیا جا رہا ہے۔ اس صورت حال میں یہ ضرورت اب بھی برقرار ہے کہ ایک ہمہ گیر نوعیت کا دائرہ معارف اسلامیہ عربی اور انگریزی زبان میں تیار کیا جائے تاکہ دنیا کے ہر علاقے میں لوگ اس سے مستفید ہو سکیں اور موجودہ انسائیکلو پیڈیاؤں سے بے نیاز ہو سکیں[۵] ۔

ڈکشنریاں

جو بھی اصطلاحیں آپ استعمال کریں ان کو خوب ٹھیک سے سمجھیں۔ کبھی کبھی محقق حضرات بھونڈی غلطیاں صرف اس وجہ سے کرتے ہیں کہ ان کا خیال ہوتا ہے کہ چونکہ وہ ایک متعینہ زبان جانتے ہیں اس لیے اس کی اصطلاحیں بھی ان کے لیے نئی نہیں ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اگر آپ سیاسی اور تجارتی دستاویزوں پر کام کر رہے ہیں تو آپ دیکھیں گے کہ مختلف اصطلاحوں کے معانی زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ بدلتے جاتے ہیں بلکہ ایک ہی زمانے میں مختلف ممالک میں ایک ہی اصطلاح کے الگ الگ معنی ہوتے ہیں۔

عربی زبان کی کلاسیکل ڈکشنریوں کے ساتھ آپ کو ایک اہم مسئلہ یہ پیش آئے گا کہ وہ نئے (مستحدث) یا عربی شدہ (معرّب) الفاظ سے اعراض برتتی ہیں۔ اس لیے عربی زبان و ادب سے تعلق رکھنے والے محققین ایسی ڈکشنریوں سے غافل نہ رہیں جو ان الفاظ کے لیے مخصوص ہیں جو ابن منظور کی لسان العرب جیسی کلاسیکل ڈکشنریوں میں نہیں ملتے۔

جن عربی ڈکشنریوں میں مستحدَث اور معرَّب الفاظ ملتے ہیں، اُن میں بعض اہم یہ ہیں:

- المعرب من الكلام الأعجمي للجواليقي (م: ٥٤٠هـ/١١٤٥ - ١١٤٦) تحقيق أحمد محمد شاكر (القاهرة ١٣٦١)؛
- شفاء الغليل فيما فى كلام العرب من الدخيل لخفاجي (م: ١٠٦٩هـ/١٦٥٩)

(تحقيق: محمد بدر الدين النعساني ، القاهرة ١٣٢٥) ۔

یہ دونوں کتابیں اُن اجنبی الفاظ کے بارے میں ہیں جو عربی میں داخل ہو گئے ہیں ۔ اسی نوعیت کی ایک اور جدید ڈکشنری مار أغناطيوس إفرام الأول برصوم کی تالیف الألفاظ السريانية فى المعاجم العربية (دمشق ١٩٤٨ - ١٩٥١) کے دوران شائع ہوئی ہے اور جیسا کہ نام سے ظاہر ہے عربی زبان میں داخل ہونے والے سُریانی الفاظ سے عبارت ہے ۔

عربی زبان میں کچھ ایسے الفاظ بھی ہیں جن کی اصل یا مصدر مجہول ہے اور اس وجہ سے اُن کو لکھنے میں لوگ اکثر غلطی کرتے ہیں ۔ اس طرح کے الفاظ کے لیے مندرجہ ذیل تالیفات کو دیکھیں :

- ادب الكاتب لإبن قتيبة الدّينوري (م : ٢٧٦هـ/٨٨٩) ؛
- درة الغواص فى أوهام الخواص للحريري (م: ٥١٦هـ/١١٢٢) ۔

میرے استاد پروفیسر بوزورتھ نے اپنی کتاب The Mediaeval Islamic underworld کے دوسرے حصّے میں (جس کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے) وہ عربی زبان پیش کی ہے جسے عصور وسطیٰ میں اوباش ، چور، اچکّے اور بھیک مانگنے والے استعمال کرتے تھے ۔

فنّی اصطلاحوں کی تشریح کرنے والی ڈکشنریاں عربی زبان میں بکثرت ہیں، مثلاً :

- مفتاح العلوم للخوارزمي؛
- كتاب التعريفات للجرجاني؛
- كشاف اصطلاحات الفنون

جسے عربی زبان میں ایک ہندستانی عالم محمد علی فاروقی تھانوی (م: ۱۷۴۵ء) نے تالیف کی اور اُسے جرمن مستشرق سپرنگر Sprenger نے

Dictionary of technical terms of the Muslims

کے نام سے کلکتہ سے شائع کیا تھا۔ کچھ عرصہ قبل بیروت سے اس کو بذریعہ آفسٹ دوبارہ چھاپا گیا ہے۔ اسی طرح کی ایک ڈکشنری ڈوزی Reinhard P.A. Dozy کی تالیف کردہ ہے جو کہ مختلف عرب لباسوں اور اُن کے اجزاء کے بارے میں ہے۔ یہ ڈکشنری

Dictionaire détaillé des Noms des Vêtements chez les Arabes (1845)

کے نام سے ۱۸۴۵ء میں شائع ہوئی۔ اس کتاب کا عربی ترجمہ معجم مفصل فی أسماء الملابس عند العرب کے نام سے ہو چکا ہے۔

اس کے علاوہ ان عام یا سوقیانہ لہجوں کی بھی ڈکشنریاں ہیں جو عرب ممالک کے مختلف علاقوں میں رائج ہیں۔ ایسی ڈکشنریاں بالعموم مستشرقین کی تالیف کردہ ہیں کیونکہ عرب محققین کا خیال ہے (جو کہ غالباً درست ہے) کہ اس طرح کی تالیفات سے عرب قوموں کے درمیان دوری بڑھے گی ——— کم از کم لکھی جانے والی عربی زبان نے ان کو بڑی حد تک اکٹھا کر رکھا ہے حالانکہ ان کی عوامی بول چال میں بہت اختلاف ہے۔

یہ ڈکشنریاں غیر عرب محققین کے لیے خصوصی اہمیت رکھتی ہیں کیوں کہ اکثر وہ ایسے الفاظ اور تعبیرات سنتے یا پڑھتے ہیں جن کے معنی سے وہ واقف نہیں ہیں۔ اس قسم کی ڈکشنریوں میں مندرجہ ذیل لغات شامل ہیں:

– اسپیرو کی تالیف کردہ مصری عوامی بول چال کی لغت :

S. Spiro. *An Arabico-English vocabulary of the colloquial Arabic of Egypt*

– لینڈبرگ کی جنوبی جزیرۂ عرب میں رائج عوامی بول چال کی زبان کے بارے میں دو کتابیں :

C. de Landberg, *Glossaire datînois; Etudes sur les dialects de l'Arabic méridienne*

– بارتھلیمی کی شام کی عوامی بول چال پر مبنی عربی - فرنچ ڈکشنری :

A. Barthelémy, *Dictionaire arabe-française. Dialectes de Syrie*

بارتھلیمی کی مندرجہ بالا ڈکشنری میں جو کمیاں رہ گئی ہیں ان کو ڈینیزو نے اپنی مندرجہ ذیل لغت میں پورا کیا ہے جو کہ شامی، لبنانی اور فلسطینی لہجات کے موضوع پر :

Cl. Denizeau, *Dictionaire des parlers de Syrie, Liban et Palestine*

– مارسیز کی کتاب مراکشی عوامی بول چال کی عربی زبان پر :

W. Marçais, *Textes arabes des Takroûna*

– جلال حنفی کی کویتی عربی لہجہ کے بارے میں کتاب : معجم الألفاظ الکویتیة (طبع بغداد)۔
انھیں جلال حنفی کی کتاب بغدادی لہجے کے بارے میں : معجم الألفاظ العامیة البغدادیة ۔

- رشید عطیہ کی کتاب جس میں عوامی بول چال اور عربی میں داخل ہونے والے اجنبی الفاظ کی تفصیل دی گئی ہے: معجم عطية في العامي و الدخيل (ساں پاؤلو ۱۹۴۴ء)۔

واشنگٹن کی جارج ٹاؤن یونی ورسٹی میں رچرڈ ہیریل Richard S. Harrell کے زیر نگرانی متعدد ڈکشنریاں تیار کی گئی ہیں جو مراکش، شام، عراق وغیرہ کی عوامی بول چال کی زبان کے بارے میں ہیں۔

- کبھی کبھی مخصوص لہجات کے بارے میں ڈکشنریاں بعض نصوص کو سمجھنے میں مدد دیتی ہیں اور کسی مخصوص زمانے میں ان کے رائج معنی کی تحدید کرتی ہیں۔ اس کی ایک مثال گوئٹائن Goitein نے اپنی کتاب "بحرابیض متوسط کی سوسائٹی" Mediterranean society کے جزء اوّل میں دی ہے، جہاں انھوں نے بتایا ہے کہ اگر انہوں نے یمنی یہودیوں میں اس صدی کے تیسرے اور چوتھے دہے کے دوران رائج عام بول چال کا مطالعہ نہ کیا ہوتا تو وہ گنیزہ (الجنيزة) نامی مصری یہودی دستاویزات کو سمجھ نہ پاتے جو کہ گیارہویں اور بارہویں صدی عیسوی میں مصر، یمن اور ہندستان کے درمیان تجارتی لین دین کے بارے میں ہیں۔

بعض عرب ممالک، بالخصوص لبنان، میں پچھلے دہوں کے دوران کثرت سے ایسے الفاظ کی ڈکشنریاں شائع ہوئی ہیں جو کہ عربی زبان میں نئے ہیں یا عربی زبان کے ایسے قدیم الفاظ ہیں جو آج نئے مفہوم کے حامل ہیں۔ اس طرح کی ڈکشنریاں مختلف متعین میدانوں سے تعلق رکھتی ہیں، مثلاً قانون، سیاست، تجارت، عسکریت، طب، سائنس، کمپیوٹر وغیرہ۔

عربی ادب اور اسلامیات میں تحقیق کرنے والوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ اپنی ذاتی لائبریری میں کچھ ایسی ڈکشنریاں بھی ضرور رکھیں جو کہ ان غیر عرب زبانوں کے بارے میں ہوں جس سے اُن کا بالعموم سابقہ پڑتا ہے۔ عربی۔انگریزی، انگریزی۔عربی اور اس قسم کی دوسری یوروپین زبانوں کی ڈکشنریاں بکثرت پائی جاتی ہیں۔ اپنے ذاتی تجربہ سے میں نے پایا ہے کہ منير البعلبكي کی المورد جو دار العلم للملايين (بیروت) سے شائع ہوئی ہے اور ہانز ویر Hans Wehr کی *Arabic-English Dictionary* جو نیویارک سے شائع ہوئی ہے (بہت سی خامیوں کے باوجود) ایسی عمومی ضروریات کے لیے کافی ہے جن میں شدید فنی تحدید و تدقیق کی ضرورت نہیں۔

قدیم عربی الفاظ کے انگریزی مرادفات جاننے کے لیے ایڈورڈ لین کی مدّ القاموس Edward W. Lane, *An Arabic-English Lexicon* (London 1863-93) جو لندن میں ۱۸۶۳–۱۸۹۳ء کے دوران شائع ہوئی ہے، بڑی حد تک کافی ہے۔ اس ڈکشنری کی تکمیل اسٹینلی لین پول نے کی۔ اس ڈکشنری میں جو کمیاں ہیں اس کو پورا کرنے کے لیے متعدد ڈکشنریاں لکھی گئی ہیں، مثلاً:

۱۔ ڈوزی کا تیار کردہ سپلیمنٹ جو کہ متداول عربی ڈکشنریوں اور بالخصوص مد القاموس میں نہ پائے جانے والے عربی الفاظ کے بارے میں ہے۔ اس کتاب میں ڈوزی نے قدیم عربی نصوص،۱ اوائل اسلام اور مغرب (یعنی

مراکش، الجزائر اور تونس) کی زبان کو بنیاد بنایا ہے۔ اس ڈکشنری کی تفصیلات مندرجہ ذیل ہیں:

R.P.A. Dozy, *Supplément aux dictionaires arabes*, 2nd ed. (Leiden 1927).

ڈوزی کی ڈکشنری کا عربی ترجمہ سلیم النعیمی نے شروع کیا اور عراق وزارت ثقافت نے اس کو بغداد سے شائع کیا ہے۔ میرے علم کے مطابق اب تک اس کے سات اجزاء شائع ہو چکے ہیں۔

۲۔ فاگنان نے مد القاموس میں نہ پائے جانے والے عربی الفاظ کو مندرجہ ذیل مختصر مگر اہم کتاب میں درج کیا ہے:

Fagnan, *Additions aux dictionaires*

۳۔ انطون اسپٹالیر اور اس کے ساتھیوں نے جرمن زبان میں ایک ایسی ڈکشنری شائع کرنی شروع کی ہے جس میں قدیم عربی زبان پر انحصار کیا گیا ہے اور اس میں کلاسیکل ادب سے شہادتیں پیش کی گئی ہیں۔ یہ لغت وایس باڈن سے ۱۹۵۷ء سے مختلف اجزاء میں مندرجہ ذیل عنوان سے شائع ہو رہی ہے:

Anton Spitaler *et. al., Worterbuch der Klassischen Arabischen Sprache* (Wiesbaden 1957-).

اسی طرح عربی زبان و ادب سے تعلق رکھنے والوں کے لیے وہ لغت کافی اہم ہے جو بلاشیر R. Blachére اور ان کے ساتھیوں نے *Dictionnaire arabe-français-anglais* کے عنوان سے پیرس میں

۱۹۶۷ء سے شائع کرنا شروع کیا ہے۔ جیسا کہ کتاب کے نام سے واضح ہے، اس کتاب میں عربی الفاظ کے معنی فرانسیسی اور انگریزی دونوں زبانوں میں دیے گئے ہیں۔

اسٹائن گراس کی انگریزی۔ فارسی ڈکشنری Steingrass, *A Comprehensive Persian-English dictionary* (London 1892) اُن فارسی الفاظ کے معنی جاننے میں مدد گار ہے جو مشرقی بلاد عربیہ کی عربی زبان میں رائج ہو گئے ہیں۔ عربوں کی لکھی ہوئی ڈکشنریاں ایسے الفاظ سے بالخصوص تجاہل عارفانہ برتتی ہیں۔

جو لوگ سلطنت عثمانیہ کے مختلف مسائل کے بارے میں ریسرچ کرتے ہیں ان کو ریڈھاؤس کی ترکی۔ انگریزی ڈکشنری James W. Redhouse, *Turkish and English Lexicon* (Constantinople 1890) سے مدد ملے گی، بالخصوص ایسے عربی الفاظ اور اصطلاحوں کے معنی کی تحدید کرنے میں جو کہ عثمانی دور کی ترکی زبان میں رائج ہو گئے تھے اور اکثر ان کے مفہوم بھی بدل گئے تھے۔ اس ڈکشنری کو کچھ عرصہ قبل مزید اضافات کے ساتھ دوبارہ مندرجہ ذیل عنوان کے ساتھ شائع کیا گیا ہے:

Redhouse, *Yeni Turkçe-Ingilize Sozlük* (Istanbul 1968).

یاد رہے کہ پہلی جنگ عظیم سے قبل بہت سے عرب ممالک تقریباً تین صدی تک سلطنت عثمانیہ کے تابع تھے۔

بعض مستشرقین نے ایسے مشکل عربی الفاظ کی ڈکشنری کی ترتیب دی

ہے جن سے ان کا سابقہ عربی مخطوطات کی تحقیق کے دوران پڑا۔ بعض ایسی ڈکشنریاں انہیں تحقیق شدہ نصوص کے آخر میں بطور ضمیمہ شائع کر دی گئی ہیں۔ مثلاً لائڈن میں شائع ہونے والی تاریخ الطبري کے انڈکس کے ساتھ شائع ہونے والی ملحقہ ڈکشنری ۔ ڈی گویہ de Goeje نے جغرافیہ سے متعلق عربی مخطوطات کی تحقیق کے نتیجے میں متعدد ڈکشنریاں ترتیب دیں ۔ بر سبیل مثال: ڈی گویہ کی کتاب *Bibliotheca geographorum arabicorum* کے چوتھے جزء میں اُن مشکل اصطلاحوں اور الفاظ کی ڈکشنری شامل کی ہے جو ابن حوقل، الاصطخری اور المقدسی نے اپنی کتابوں میں استعمال کیے ہیں ۔ اسی طرح ڈی گویہ نے ابن قتیبہ کی تالیف كتاب الشعر والشعراء (جس کو کبھی کبھی طبقات الشعراء کے نام سے بھی یاد کیا گیا ہے) کے مشکل الفاظ کی ڈکشنری شائع کی ہے ۔ لیوین B. Lewin نے ہذیلی اشعار کی لغت *A Vocabulary of the Hudailian poems* کے نام سے شائع کی ہے ۔

قدیم عربی ادب کی مشکل الفاظ کے معانی جاننے کے لیے بیوان Bevan کی تحقیق کردہ کتاب نواقض جرير وفرزدق کے تیسرے جزء میں پائی جانے والی ڈکشنری کی طرف رجوع کرنا چاہیے ۔ اس طرح کی ڈکشنری کتاب المفضليات کے تیسرے جزء میں بھی ہے جس کی تحقیق لائل Lyall نے کی ہے۔

اسلامی تاریخ کے مصادر

اسلامی تاریخ، اسلامی اور عربی مطالعات کی ایک اہم شاخ ہے ۔ اس

کا تعلق تقریباً تمام اسلامی اور عربی موضوعات سے ہے[۳] یہاں ہم اس شاخ کے بارے میں پائے جانے والے چند اہم مصادر و مراجع کا ذکر کریں گے۔

اسلامی تاریخ نویسی کے بارے میں عمومی معلومات کے لیے انسائیکلو پیڈیا آف اسلام میں -Ta'rikh, ᶜilm al کے نام سے مقالہ پڑھیں جو کر ولنسنک Wensinck نے لکھا ہے اور وہ پہلے انگریزی ایڈیشن کے ضمیمہ میں ہے (EI1 Suppl., pp. 233-46)[۶]۔

اس کے علاوہ اس سلسلے میں مندرجہ ذیل کتابیں مددگار ثابت ہوں گی:

- ڈاکٹر عبدالعزیز الدوری کی بحث فی نشأة علم التاريخ عند العرب۔
- مارگولیتھ کے عرب مؤرخین کے بارے میں لیکچرز[۷] جو انھوں نے کلکتہ یونی ورسٹی میں دیے تھے۔
- روزنتھال کی کتاب[۸] کا پہلا حصّہ جس کا ترجمہ صالح احمد العلی نے عربی میں علم التاريخ عند المسلمين (بغداد) کے نام سے کیا ہے۔
- لویس اور ہولٹ نے شرق اوسط کے مؤرخین کے بارے میں اپنی کتاب[۹] میں عربی اور فارسی میں پائی جانے والی تاریخی تصنیفات اور ان سے متعلق مشکلات کا مطالعہ کیا ہے۔ اسی نشریاتی سلسلے میں شائع شدہ دوسری جلد[۱۰] میں ہندستان اور افغانستان کی اسلامی تاریخی نگارشوں کا مطالعہ کیا گیا ہے۔

اسی قسم کی ایک کتاب جنوبی مشرقی ایشیا (انڈونیشیا وغیرہ) کے بارے

میں ہے، جس کو ڈی۔ جی۔ ہالؔ نے ایڈٹ کیا ہے۔
اسلامی تاریخ کے محقق کے لیے جو بعض جدید مصادر انتہائی اہمیّت کے حامل ہیں، ان میں سے چند حسب ذیل ہیں:

- سوفاجٹ کی کتاب: مشرقی اسلامی تاریخ کا تعارف:

Sauvaget, *Introduction to the history of the Muslim East*

یہ کتاب فرانسیسی سے انگریزی میں ترجمہ کی گئی ہے۔

- فلیپس کی ایڈیٹ کردہ مشرقی تاریخ کے بارے میں ہینڈ بک:

C.H. Philips (ed.), *Hanbook-of oriental history.*

- بشارش کی مطالعات شرق ادنیٰ کے بارے میں ہینڈ بک:

Jere L. Bacharach, *A Near East studies handbook.*

- ریوا سائمن کی کتاب جدید شرق اوسط کے بارے میں ریسرچ کرنے والوں کے لیے گائڈ:

Reeva S. Simon, *The Modern Middle East: a guide to research tools in the social sciences.*

پچھلے چند دہوں میں شائع ہونے والی کتابوں میں مندرجہ ذیل دو کتابیاتی تصنیفیں اہمیّت رکھتی ہیں:

D. Hopwood *et.al.* (ed.), *Middle East and Islam: a bibliographical introduction* (Zug 1972);
Diana Grimwood Jones *et. al.* (ed.), *Arab Islamic bibliography: the Middle East Library Committee guide* (Hassocks 1977).

آثار، فنون اور اسلامی حرفتیں

اسلامی آثار، فنون اور کاریگری (حرفتوں) کے بارے میں کرزویل کی مندرجہ ذیل کتابیاتی تصنیف اپنے میدان میں بہت اہمیّت کی حامل ہے:

K. A. C. Creswell, *A Bibliography of the architecture, arts and crafts of Islam* (London 1961)

اس کتابیاتی تصنیف میں ۱۹۵۹ تک شائع ہونے والی ۱۵۸۵۰ کتابوں، مقالوں، کتابچوں اور البموں کا تذکرہ ہے۔ اس کتاب کا دائرہ کار اندلس سے لے کر برصغیر ہند و پاک و بنگلہ دیش تک محیط ہے۔ اس کے مصنّف مستشرقین میں اسلامی فن تعمیر کے سب سے بڑے ماہر سمجھے جاتے ہیں۔ انھوں نے یہ کتاب ۵۰ سال میں ترتیب دی۔ ساری اہمیت کے باوجود اس کتاب کا عیب یہ ہے کہ اس میں اسلامی اور روسی زبانوں میں شائع ہونے والی نگارشوں کا کما حقہ احاطہ نہیں کیا گیا ہے۔ اسی مصنّف نے ۱۹۷۲ء میں اس کتاب کا مندرجہ ذیل عنوان سے ایک ضمیمہ بھی شائع کیا ہے:

Supplement of the bibliography of the architecture, arts and crafts of Islam (London 1972)

نزار محمد علی قاسم کی تصنیف المعاجم العربیة فی العلوم و الفنون و اللغات (بغداد ۱۹۶۷) بھی اس موضوع سے یک گونہ تعلق رکھتی ہے۔

تواریخ اور انساب

اسلامی تاریخ سے متعلق واقعات کی تدقیق کے ساتھ زمانی تسلسل سے تعین کرنے اور انساب کے بارے میں سب سے مکمل جدید تصنیف زامباور کی مندرجہ ذیل کتاب ہے:

E. Von Zambaur, *Manuel de généalogie et de chronologie pour l'histoire de l'Islam* (Hanover 1927)

اس کتاب کا عربی ترجمہ معجم الأنساب والأسرات فی الإسلام ہے جو کہ قاہرہ میں ۱۹۵۱ء میں شائع ہوئی ہے۔ اس کتاب میں معروف اسلامی خاندانوں اور مختلف زمانوں کے مسلم حکام کے انساب کے جدول شامل ہیں۔ اس موضوع پر بعض دوسری کتابیں حسب ذیل ہیں:

I.Gomaa, *A Historical chart of the Muslim World* (Leiden 1971);
S. Lane-Poole, *The Mohammedan dynasties* (London 1893);
C. E. Bosworth, *The Islamic dynasties - a chronological and genealogical survey*

- أحمد السعيد سليمان، تاريخ الدول الإسلامية و معجم الأسر الحاكمة (القاهرة: دار المعارف ۱۹۷۲).

اس طرح کی تمام کتابیں بالعموم ابن الکلبی کی جمهرة الأنساب اور اسی طرح کی بعض دوسری قدیم اور معلومات سے پُر تصنیفات پر اعتماد کرتی ہیں جو

کہ آج کل کے عصری تقاضوں کے اعتبار سے منظم اور مرتب نہیں ہیں۔

اسلامی القاب

مختلف زمانوں میں استعمال کیے جانے والے القاب بھی معلومات کے حامل ہوتے ہیں اور ان کے بارے میں بھی ریسرچ کی جاسکتی ہے۔
حسن الباشا نے اپنی کتاب الألقاب الإسلامية في التاريخ و الوثائق و الآثار میں اسلامی القاب کی فہرست بندی اور تشریح کی ہے۔

سکّے (مسکوکات)

تاریخی نوعیت کی ریسرچ میں مختلف زمانوں اور علاقوں میں جاری کیے جانے والے سکّوں کے بارے میں نگارشیں، بھی اہل تحقیق کے لیے اہمیّت کی حامل ہوتی ہیں۔ سکّوں کے مطالعے سے مختلف حاکموں کے زمانوں کی تحدید ہوتی ہے اور یہ ثابت کیا جاسکتا ہے کہ کوئی متعینہ حاکم کسی متعین علاقہ پر کس متعین سن میں تھا۔ مائیلز نے سکوں کے ذریعے فارس (ایران) کے قدیم پایۂ تخت رَیّ کے بارے میں مندرجہ ذیل کتاب لکھی ہے:

G. C. Miles, *The Numismatic history of Rayy*

مندرجہ ذیل کتابیں مطالعات اسلامی کی رو سے سکوں کا مطالعہ کرتی ہیں:

Louis A. Mayer, *Bibliography of Moslem*

numismatics, India excepted (London 1954);
Oliver Codrington, *Manual of Muslim numismatics* (London 1904);
E. Von Zambaur, *Die Münzpragungen des Islam, zeitlich und ortlich geogdnet*, I (Weisbaden 1968 -)

غالباً اس آخرالذکر کتاب کا صرف پہلا جزو ہی شائع ہوا ہے ۔

C. R. Singhal, *Bibliography of Indian coins : Part II (Muhammadan and later series)* (Bombay 1952).

اس کتاب میں اُن سکوں کا مطالعہ کیا گیا ہے۔جو اسلامی ہندستان میں مختلف حاکم خاندانوں اور مسلم ریاستوں نے جاری کیے ۔ اسی کے ساتھ اس کتاب میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے ظاہر ہونے کے بعد کے زمانے کا بھی احاطہ کیا گیا ہے۔ سکوں کے بارے میں عمومی نوعیت کی معلومات کے لیے گریئرسن کی مندرجہ ذیل دو کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہیے :

Philip Grierson, *Numismatics and history* (London 1951); *Bibliographie Numismatique* (Brussels 1966).

اسلامی نقوش

گھروں، محلات، قلعوں، مساجد، مقابر اور اس جیسے دوسرے آثارِ قدیمہ میں پائے جانے والے نقوش اور کتبے اسلامی تاریخ کے محقق کے لیے ایک اہم ماخذ ہیں ۔ بعض مصنفین نے بڑی محنت سے میدانی کام اور مختلف علاقوں میں گھوم پھر کر یہ نقوش اور ان کی تصویریں کتابوں میں جمع کر دی ہیں ۔

ان کتابوں میں وہ کام بھی شامل ہے جس کو میکس وین برخم اور ان کے ساتھیوں نے پچاس سال کی محنت کے بعد مندرجہ ذیل عنوان سے شائع کیا ہے :

Max Van Berchem *et. al.*, *Matériaux pour un corpus inscriptionum Arabicorum* (Paris-Cairo 1909-56).

اس کتاب میں تفصیل سے قاہرہ، عرب بیت المقدس، شمالی شام اور مشرقی اناضول کے دو شہروں کے نقوش محفوظ کر دیئے گئے ہیں۔ نقوش کے ساتھ ساتھ اس کتاب میں ان کے بارے میں تاریخی نوعیت کی تحریریں بھی شامل ہیں۔ اس کتاب کی اہمیت کچھ اس لیے بھی زیادہ ہے کہ اب ان میں سے بہت سے نقوش ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ضائع ہو چکے ہیں۔

اس کے علاوہ ایک دوسری کتاب نے اسلامی نقوش کو کافی شمولی طور پر محفوظ کر دیا ہے۔ اس کا نام حسب ذیل ہے :

E. Combe *et. al.*, *Repertoire chronologique d'epigraphie arabe* (Cairo 1931-)

اس کتاب میں اندلس سے لے کر ہندستان تک کے عربی نقوش قدیم ترین زمانے سے لے کر موجودہ صدی تک محفوظ کر دیئے گئے ہیں۔ اس کتاب کے اجزاء ۱۹۳۱ء سے مسلسل شائع ہو رہے ہیں۔ مصنف اور ان کے ساتھیوں کا طریقہ یہ ہے کہ ہر نقش یا کتبے کو پہلے عربی حروف میں لکھتے ہیں، پھر اس کا فرانسیسی ترجمہ دیتے ہیں۔ اور اس کے بعد اس پر تاریخی اور فنی تبصرے کا اضافہ کرتے ہیں۔

لیوی پرووِنسال نے اندلس میں پائے جانے والے عربی نقوش کو اپنی مندرجہ ذیل کتاب میں موضوع بحث بنایا ہے :

E. Levi-Provençal, *Inscriptions arabes d'Espagne* (Leiden-Paris 1931).

اس کتاب میں عرب فتح سے لے کر آخری عرب ریاست (غرناطہ) کے ۱۴۹۲ء میں سقوط تک کے نقوش کا احاطہ کیا گیا ہے۔

کولن اور مرسیے نے الجزائر میں پائے جانے والے عربی اور ترکی نقوش کا مندرجہ ذیل کتاب میں مطالعہ کیا ہے :

G. Colin and G. Mercier, *Corpus des inscriptions arabes et turques de l'Algerie* (Paris 1901-2) 2 vols.

اسی طرح کے اور دوسرے بہت سے مآخذ موجود ہیں جو مختلف علاقوں اور شہروں میں پائے جانے والے عربی و فارسی نقوش کا احاطہ کرتے ہیں، مثلاً فارس، مراکش، دمشق، قیروان، تونس، ایشیائے کوچک، بروصہ اور ایران میں پائے جانے والے عربی اور فارسی نقوش۔ برصغیر ہندو پاک و بنگلہ دیش میں پائے جانے والے عربی و فارسی نقوش کا مطالعہ متعدد کتابوں[۱۱] میں کیا گیا ہے۔ مثلاً ریاست بہار میں پائے جانے والے عربی و فارسی نقوش کے بارے میں قیام الدین احمد کا مطالعہ :

Qeyamuddin Ahmad, *Corpus of Arabic and Persian inscriptions of Bihar (AH 640-1200)* (Patna 1973).

اس کتاب میں جولائی ۱۲۴۲ء سے لے کر ۱۷۸۶ء کے دوران لکھے گئے

ایک سو ستانوے نقوش یا کتبوں کا تفصیل سے مطالعہ کیا گیا ہے۔
شمس الدین احمد نے بنگال کے نقوش کا مطالعہ مندرجہ ذیل کتاب میں کیا ہے:

Shamsuddin Ahmad, *Inscriptions of Bengal* (Rajshahi 1960).

اس کتاب میں مشرقی بنگال یعنی موجودہ بنگلہ دیش اور مغربی بنگال (جو کہ اب ایک ہندستانی ریاست ہے) کے اسلامی نقوش کو موضوع تحقیق بنایا گیا ہے۔ یہ دونوں علاقے بہت زمانے تک اسلامی حکومت کے تابع رہے ہیں۔
ہندستانی ریاست بھاؤنگر کے ادارۂ آثار قدیمہ نے ریاست بھاؤنگر کے حدود میں پائے جانے والے عربی و فارسی نقوش کے بارے میں مندرجہ ذیل کتاب شائع کی ہے:

Antiquarian department, Bhavnagar, *Corpus Inscriptionum Bhavnagari: being a selection of Arabic and Persian inscriptions .... Bhavnagar State* (Bombay 1889).

چنموی دت نے مندرجہ ذیل کتاب میں ان عربی اور فارسی نقوش کا کیٹلاگ پیش کیا ہے جو کہ انڈین میوزیم میں پائے جاتے ہیں:

Chinmoy Dutt, *Catalogue of Arabic and Persian inscriptions in the Indian Museum* (Calcutta 1967).

جیسا کہ ظاہر ہے، یہ کتاب ان عربی اور فارسی نقوش کے بارے میں

ہے جو کلکتہ میں واقع انڈین میوزیم میں محفوظ ہیں۔ کلکتہ جو کہ اِس وقت مغربی بنگال کا دار السلطنت ہے، بہت زمانے تک ہندستان میں انگریز حکومت کا پایۂ تخت رہ چکا ہے۔ ڈینیسن راس اور ان کے ساتھیوں نے مندرجہ ذیل کتاب میں اسلامی ہندستان کے نقوش کا مطالعہ کیا ہے:

E. Denison-Ross, *et. al.*, *Epigraphie indo-moslemica* (Calcutta 1908-54).

یہ ضخیم کتاب، جو اٹھارہ جلدوں پر مشتمل ہے، پورے ہندستان میں پائے جانے والے فارسی نقوش کا مطالعہ کرتی ہے۔ اس کتاب میں نقوش کی تصویروں کے ساتھ ساتھ تفصیلی وتحقیقی مقالات بھی شامل ہیں۔ اس کتاب کا ایک ناقص انڈکس بنڈری نے مندرجہ ذیل کتاب میں تیار کیا ہے:

V.S. Bendrey, *A Study of Muslim inscriptions...* (Bombay 1944).

اس ضخیم کتاب کے اجزا کی اشاعت ۱۹۵۴ء میں بند ہوگئی۔ دو سال کے بعد ہندستانی ادارۂ آثار قدیمہ نے اس کی اشاعت بطور "ضمیمہ" دوبارہ شروع کی، جو کہ سال میں دو بار مندرجہ ذیل نام سے شائع ہوتا ہے:

Department of Archeology, *Epigraphia Indica. Arabic and Persian supplement* (Delhi 1956-).

اسلامی دہلی اور اس کے اطراف واکناف میں پائے جانے والے نقوش کا احاطہ سرسید احمد خاں نے اپنی کتاب آثار الصنادید میں کیا ہے جس کو

پچھلے دنوں دلیّ میں دوبارہ شائع کیا گیا ہے۔ ہندستانی ادارۂ آثار قدیمہ کی شدید لاپرواہی اور آثار و اوقاف کی زمینوں پر عام لوگوں کے قبضے کی وجہ سے ان میں سے بہت سے آثار اب ہمیشہ کے لیے ضائع ہو چکے ہیں۔

سیبا داس چودھری نے اپنی مندرجہ ذیل کتاب میں ہندستان کے اسلامی نقوش کے بارے میں ہونے والی تحقیقات کی کتابیاتی فہرست پیش کی ہے:

Sibadas Chaudhuri, *Bibliography of studies in Indian epigraphy 1926-50* (Baroda 1966)

اسی طرح احمد حسن دانی نے بنگال میں اسلام کے آنے سے لے کر ۱۵۳۸ء تک کے اسلامی نقوش کے بارے میں کاوشوں کی یہ کتابیاتی فہرست ڈھاکہ سے شائع کی ہے:

Ahmad Hasan Dani, *Bibliography of Muslim inscriptions of Bengal (down to AD 1538)* (Dhaka 1957).

تاریخی اٹلس:

تاریخی اٹلس محققین کے لیے بہت کارآمد ہوتے ہیں۔ ان اٹلسوں کی مدد سے آپ کو بنیادی تاریخی معلومات نہایت صحت کے ساتھ فوری طور پر مل جاتی ہیں۔ لائبریریوں میں مختلف قسم کے تاریخی اٹلس دستیاب ہیں۔ اسلامی تاریخ[۱۳] سے متعلق چند تاریخی اٹلس درج ذیل ہیں:

- جورجٹ کورنو کا "کلاسیکی عہد" کے بارے میں اٹلس جو کہ نویں اور دسویں صدی عیسوی کے بارے میں ہے:

Georgette Cornu, *Atlas du Monde arabo-islamique à l'epoque classique IXe - Xe* (Leiden 1983);

- اسلامی تاریخ کا اٹلس جس کی ترتیب ہیری ہزارڈ اور ان کے ساتھیوں نے دی ہے:

Harry W. Hazard *et. al., Atlas of Islamic history* (Princeton 1951)

اس اٹلس میں متعدد نقشے اور تاریخی نوٹ ہیں۔اس کا عربی ترجمہ زکی خورشید نے أطلس التاريخ الإسلامی کے نام سے کیا ہے اور قاہرہ سے مکتبة النهضة المصرية نے شائع کیا ہے۔ عربی ایڈیشن پر سالِ طبع درج نہیں ہے (لیکن پانچویں دہے کے شروع میں اشاعت عمل میں آئی ہے)۔اس اٹلس میں مغربی افریقہ کے اسلامی ممالک کا ذکر نہیں کیا گیا ہے مثلاً سینگال جہاں متعدد اسلامی حکومتیں قائم ہوئیں، اور نائیجیریا جس کے شمالی علاقے میں صکوتو Sokoto نام کی خلافت قائم ہوئی، اور نائجر جہاں پر سلطنت تیجانیہ قائم ہوئی، جس کو مغربی مآخذ میں "شہنشاہیت توکولور" Tokolor Empire کے نام سے جانا جاتا ہے اور جسے مجاہد شیخ عمر تال (وفات: ۱۸۶۴ء) نے قائم کیا تھا۔ اس کے علاوہ افریقہ کی کانم اور بورنو جیسی قدیم اسلامی ریاستیں بھی اس اسلامی تاریخی اٹلس سے غائب ہیں۔

کنگز بری اور پاونڈز کا شرقِ اوسط کے بارے میں اٹلس جو قدیم ترین

زمانے سے لے کر زمانۂ حال تک محیط ہے :

Robert C. Kingsbury and Norman J. G. Pounds, *An Atlas of Middle Eastern Affairs* (London 1964).

۔ رُوْل وِنک کا مسلم قوموں کے بارے میں تاریخی اٹلس :

R. Roolvink, *Historical atlas of the Muslim peoples* (Amsterdam 1975).

۔ برائس کا اسلام کے بارے میں تاریخی اٹلس :

William C. Brice, *Historical atlas of Islam* (Leiden 1981)

مذکورہ بالا اٹلس میں اہم تاریخی، سیاسی اور جغرافیائی خصوصیات (ٹوپوگرافی) سے متعلق مفید معلومات ہیں۔ اس اٹلس کو دراصل انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے نئے ایڈیشن کے ساتھ استعمال کرنے کے لیے شائع کیا گیا ہے۔

۔ روبِنسَن کا اٹلس جو کہ ۱۵۰۰ء سے لے کر زمانۂ حال تک کے عالمِ اسلام کے بارے میں ہے :

Francis Robinson, *Atlas of the Islamic World since 1500* (Oxford: Phaidon Press 1982)

مذکورہ بالا اٹلس میں عالمِ اسلام کی ثقافتی تاریخ تفصیل سے دی گئی ہے اور ساتھ میں سیاسی اور آبادیاتی (ڈیموگرافک) نقشے بھی شامل ہیں۔

۔ ایشیائے کوچک کے بارے میں ٹوبنگن کا اٹلس

Tubingen atlas of the Near East

مشرق وسطیٰ کا مکمل ترین تاریخی اور تہذیبی اٹلس ہوگا۔ اس اٹلس کی تیاری سالہا سال سے جاری ہے۔

پچھلے چند سالوں میں جو چند اہم ترین کوششیں مسلم محققین کی جانب سے اس میدان میں پیش کی گئی ہیں، ان میں معروف مصری مؤرخ ڈاکٹر حسین مونس کا أطلس التاريخ الإسلامي شامل ہے۔ اسے قاہرہ سے دارالزہراء نے کافی اہتمام کے ساتھ شائع کیا ہے۔ یہ اٹلس جغرافیہ کے میدان میں ان عظیم کوششوں کی ایک عصری شکل ہے جنہیں ہمارے اسلاف نے جغرافیہ کے میدان میں دنیا میں پہلی بار پیش کیا۔ مثلاً خوارزمی (متوفی ۲۳۲ھ / ۸۴۷ء کے بعد) مؤلف صورة الأرض، ابن خرداذبہ (وفات ۲۸۰ھ / ۸۹۳ء) مصنف المسالك والممالك، الیعقوبی (وفات ۲۹۲ھ / ۹۰۵ء کے بعد) مصنف كتاب البلدان، الہمدانی (وفات ۳۳۴ھ / ۹۴۵ء) مصنف صفة جزيرة العرب، الاصطخری (وفات ۳۴۶ھ / ۹۵۷ء) مصنف مسالك الممالك اور كتاب الأقاليم، ابن حوقل (وفات ۳۶۷ھ / ۹۷۷ء کے بعد) مصنف كتاب صورة الأرض، المقدسی (وفات تقریباً ۳۸۰ھ / ۹۹۰ء) مصنف كتاب أحسن التقاسيم فى معرفة الأقاليم، المرزوقی (متوفی ۴۲۱ھ / ۱۰۳۰ء) مصنف الأزمنة والأمكنة، البکری (متوفی ۴۸۷ھ / ۱۰۹۴ء) مصنف معجم ما أستعجم من أسماء البلاد والمواضع، الادریسی (وفات ۵۶۰ھ / ۱۱۶۵ء) مؤلف نزهة المشتاق فى اختراق الآفاق، یاقوت الحموی (۶۲۶ھ / ۱۲۲۸–۱۲۲۹ء) مصنف معجم البلدان، القزوینی (متوفی ۶۸۲ھ /

۱۲۸۳ء) مصنّف آثار البلاد وأخبار العباد، العمری (وفات ۷۴۹ھ / ۱۳۴۹ء) مصنّف مسالك الأبصار، وغیرہ وغیرہ۔

اس سلسلے میں بعض جدید عربی مآخذ حسب ذیل ہیں (بطورِ مثال):

-علي بهجت، قاموس الأمكنة والبقاع التی یرد ذکرها فی کتب الفتوح (القاهرة ۱۹۰٦)؛

- سعيد الصباغ، الأطلس العربي العام (بيروت ۱۹۷۰).

-إسماعيل راجی الفاروقي، أطلس التاريخ الإسلامي۔

یہ تھے مطالعات اسلامی اور عربی سے متعلق بعض بنیادی اور ثانوی مآخذ۔ یہاں تمام اہم مآخذ کا بیان وحصر مقصود نہ تھا بلکہ صرف کچھ اہم نمونوں کا ذکر مطلوب تھا، بالخصوص وہ مآخذ جو یوروپین زبانوں میں شائع ہوئے ہیں۔ اپنی تلاش کے دوران آپ کو اس طرح کے اور بہت سے بنیادی اور ثانوی مآخذ مختلف اسلامی اور مغربی زبانوں میں ملیں گے۔

---

[۱] معاون نگراں (کوسپروائزر) کی ضرورت کبھی کبھی اسی غرض سے ہوتی ہے (فاروقی)۔

[۲] A.J.K. Esdaile, *A Student's manual of bibliography* (London 1954)

[۳] ہند اسلامی ثقافت پر ہندستان میں جو کچھ لکھا گیا ہے، ان میں نزهة الخواطر (جدید ایڈیشن بعنوان الأعیان والأعلام)، الثقافة الإسلامية فی الهند اور أخبار الأخيار مؤلفہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی بہت اہمیت کی حامل ہیں (فاروقی)۔

۴ دیکھیے مجلّہ The Middle East نمبر ۲۰۳ (لندن، ستمبر ۱۹۹۱ء ص ۴۴-۴۵)۔

۵ ان سطروں کا لکھنے والا انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے نئے ایڈیشن (EI2) کا مستقل مقالہ نگار رہے، لیکن اس کا سب سے بڑا خواب ہے کہ مسلمان خود اپنا انسائیکلوپیڈیا جدید ترین اور اعلیٰ ترین علمی معیار پر نکالیں۔

۶ یہ مقالہ وینسنک کے مندرجہ ذیل مجموعۂ مقالات میں شامل ہے:

A.J. Wensinck, *Studies on the civilization of Islam*

۷ D. S. Margoliouth, *Lectures on Arab historians*

۸ Rosenthal, *A history of Muslim historiography*

۹ B. Lewis and P. M. Holt (eds.), *Historians of the Middle East*

۱۰ C.H. Philips (ed.), *Islam in India and Afghanistan*

۱۱ D. G. Hall (ed.), *Historians of the South East Asia*

مشرق اقصیٰ کی عمومی اسلامی تاریخ کے لیے دیکھیے:

Dale, *Islam in the Far East*

۱۲ دیکھیے Geddes کی محولہ بالا کتاب ص ۲۹۸ — ۳۰۰۔

۱۳ امام محمد بن سعود اسلامی یونیورسٹی ریاض کا ریسرچ سنٹر ایک کثیرالاجزاء اسلامی جغرافیائی ڈکشنری تیار کر رہا ہے۔ یہ عمل سالوں سے جاری ہے۔ مکمل ہونے پر یہ اپنے میدان میں بہت بڑی خدمت ہوگی۔

۱۴ ہم یوروپین تقسیمات کو تسلیم نہیں کرتے ہیں۔ دیکھیے میرا تبصرہ:

Hijrah in Islam (دہلی ۱۹۹۷) ص ۲۲۹، حاشیہ نمبر ۳۰۔

باب چہارم

علمی تحقیق کے فنی پہلو

اب ہم بعض فنی پہلوؤں پر گفتگو کریں گے، جن کا ریسرچ کے دوران خیال رکھنا چاہیے، اور اُن فنی پہلوؤں سے متعلق کچھ گذارشیں پیش کریں گے جنھیں تھیسس کو آخری شکل دیتے وقت دھیان میں رکھنا چاہیے۔

زادِ سفر

ہر پیشے کے کچھ آلات و اوزار ہوتے ہیں۔ ریسرچ اسکالر کا غذ، قلم قینچی اور گوند کے ساتھ ساتھ مصادر و مراجع کا مسلسل ضرورت مند ہوتا ہے، مثلاً دائرہ کار سے یا میدانِ تحقیق سے متعلق بنیادی کتابیں۔ اسی طرح دورانِ عمل کام آنے والی ضروری لغات، جنرل انسائیکلوپیڈیا اور "اَعلام" یعنی تاریخی شخصیات کی سیر و سوانح پر مشتمل ڈکشنریاں وغیرہ۔

مناسب تو یہ ہوگا کہ اگر آپ ان چیزوں کو خرید سکتے ہوں تو ان کے حصول میں بخل سے کام نہ لیں، کیونکہ یہ زندگی بھر آپ کا ساتھ دیں گی اور بار بار آپ کو لائبریری کا رخ نہ کرنا پڑے گا۔ ان مراجع کی تعیین آپ خود ہی کریں گے۔ اس سلسلے میں آپ اگر ایک عمومی نظر اُس جنرل لائبریری کے ریفرنس سیکشن میں، جس میں آپ کا جانا ہوتا ہے، ڈال لیں تو آپ کو ان مراجع کا علم ہو جائے گا۔

آپ اپنا وقت لمبے لمبے اقتباسات یا پورے پورے ابواب کو ضروری سمجھ کر نقل کرنے میں نہ ضائع کریں، بلکہ ان کی فوٹو کاپی کرالیں۔ اب تو فوٹو کاپی کی مشینیں بہت عام ہو گئی ہیں۔

ہمیشہ کاغذ کی شیٹ کے صرف ایک طرف لکھیے۔ اور ایک کارڈ پر صرف ایک پوائنٹ یا ایک بات لکھیے تاکہ آپ اسے جہاں چاہیں مقالہ لکھتے وقت رکھ سکیں۔ اگر آپ کارڈ کے دونوں طرف لکھیں گے یا ایک ہی کارڈ پر بہت سے پوائنٹ لکھیں گے تو مشکل میں پڑ جائیں گے۔

بہتر تو یہ ہے کہ آپ موٹے کاغذ کے ۴×۶ سینٹی میٹر سائز والے کارڈ خرید لیں اور اگر کسی وجہ سے نہیں خرید سکتے تو کوئی حرج نہیں کہ A4 سائز کے کاغذ کو چار حصّوں میں کاٹ لیں۔ یہ بالکل مذکورہ سائز کا ہو جائے گا۔

ہر کارڈ پر کتاب کی علامت کو لکھیے جس سے آپ استفادہ کر رہے ہیں، مثلاً "لسان" برائے "لسان العرب"۔ کسی بھی معلومات کو درج کرتے وقت صفحہ اور جلد نمبر اس طرح لکھیے:

لسان ١٢ / ٤١٧ "والعلم نقيض الجهل . عَلِمَ علما وعَلُم هو نفسه . ورجل عالم وعليم من قوم علماء فيها جميعا. قال سيبويه : "يقول علماء من لا يقول إلا عالما "

اس کے علاوہ ایک دوسرے کارڈ پر اس مرجع کی پوری کتابیاتی معلومات نوٹ کر لیجیے، ساتھ ہی لائبریری میں اُس کتاب کا نمبر اور اشاریہ بھی۔ اس طرح اگر آپ کو دوبارہ اس کتاب کی ضرورت محسوس ہوگی تو اسے زیادہ تلاش نہیں کرنا پڑے گا۔ اکثر یہ ہوتا ہے کہ نص کے کسی جزء میں شک ہونے یا کچھ مزید نوٹ کرنے کے لیے کتاب کو دوبارہ دیکھنے کی ضرورت پیش آجاتی ہے۔ آپ کسی بھی کتاب سے پہلی مرتبہ استفادہ کرتے وقت ہی اوّل فرصت میں ان معلومات کو نوٹ کرلیں۔ جہاں تک اشارات یا علامتی اسمار کا تعلق ہے تو اُن کو بھی آپ ایک کارڈ یا ایک کاپی پر الگ نوٹ کرلیں تاکہ ضرورت کے وقت رجوع کرسکیں۔

مسودات اور نوٹس کی ترتیب

اگر ابتدا ہی سے آپ اپنے کاغذات کو ترتیب سے رکھیں تو آپ اپنی پوری علمی زندگی میں خود کو بہت ساری پریشانیوں اور مشقتوں سے بچا سکتے ہیں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ آپ اپنے اوراق، نوٹس اور مسودات کو اس طرح رکھیں کہ جب بھی آپ کو ان کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت محسوس ہو تو بآسانی اُن تک پہنچ سکیں۔ اس کے لیے بہتر ہوگا کہ آپ

ابجدی رجسٹر یا نمبر شدہ فائلیں استعمال کریں اور تمام چیزوں کو ایک ابجدی یا موضوعاتی فہرست میں نوٹ کرلیں۔

پہلی بات جو ضروری ہے وہ یہ کہ آپ اپنی عادت بنالیں کہ جس کتاب یا مرجع سے استفادہ کریں اس کے بارے میں مکمل تفصیلی کتابیاتی معلومات فوراً نوٹ کرلیں (مصنّف کا نام، کتاب کا نام، مقام اشاعت اور سنہ اشاعت)۔ اس کے علاوہ اس لائبریری کا نام اور نمبر، جہاں وہ پائی جاتی ہے، کو بھی اُسی کارڈ کے ایک طرف نوٹ کرلیں۔

آپ کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ ہر اہم کتاب کے لیے ایک علامت (رمز) وضع کرلیں اور اس علامت کو ایک علٰحدہ فہرست میں نوٹ کرلیں، جس میں اس طرح کی تمام علامتی اسمائِ کتب کا اندراج ہو۔ ساتھ ہی ہر علامتی اسم کی تفصیل بھی وہاں درج کریں، تاکہ شک و شبہ پیدا ہونے کی صورت میں رجوع کرسکیں۔ اس علامت کو اُس کتاب سے کچھ بھی نقل کرتے ہوئے داہنی طرف اوپری جانب لکھیں۔

کسی بھی عبارت کو نوٹ کرنے سے پہلے کارڈ کے حاشیہ میں صفحہ نمبر لکھئے، اور اگر کتاب کئی جلدوں پر مشتمل ہو تو پہلے جلد نمبر پھر صفحہ نمبر لکھیے مثال کے طور پر "۱۲/۲" کے معنی ہوں گے جلد نمبر ۲ اور صفحہ نمبر ۱۲۔ پھر معلومات کو کارڈ کے صرف ایک طرف لکھیے اور ایک کارڈ پر صرف ایک ہی بات نوٹ کیجئے۔ متنوع معلومات کو اُس کارڈ پر اسی صورت میں مدون کریں جب وہ ایک ہی مسئلہ پر ہوں۔ بصورت دیگر جب آپ مقالہ تحریر کرنا شروع کریں گے تو بہت سی دشواریاں پیش آئیں گی، کیوں کہ اگر آپ

ایک کارڈ پر متنوع معلومات درج کریں گے تو آپ کو ایک ہی کارڈ کی متعدد ابواب میں ضرورت پیش آئے گی۔

ایک ہی مرجع سے ماخوذ جملہ معلومات یا فوٹو کاپی کو ایک نمبر شدہ فائل میں رکھیں، اور یہ نمبر اپنے کتابیاتی کارڈ پر نوٹ کرلیں۔ اس طرح آپ بڑی آسانی سے اس نمبر کے سہارے ان اوراق کی طرف رجوع کرسکیں گے۔ اگر آپ متعینہ فائل سے کوئی چیز نکالیں تو استعمال کرنے کے بعد احتیاط سے اس کو اسی جگہ واپس کردیں۔

کسی محقق کے لیے یہ بات انتہائی پریشان کن ہوتی ہے کہ کوئی چیز وہ جانتا ہے کہ میں نے فلاں جگہ رکھی ہے یا کسی عبارت کو دیکھنا چاہتا ہے لیکن جب اس کو تلاش کرتا ہے تو ملتی نہیں ہے، محض اس وجہ سے کہ اوراق منتشر اور بے ترتیب رکھے ہیں۔

اگر آپ ابتداء ہی سے اپنے آپ کو منظم نہیں کریں گے تو کسی ایک چیز کی تلاش میں گھنٹوں ضائع کرنا ہوگا۔ یہ چیز عموماً اس وقت پیش آئے گی جب آپ اپنا مقالہ تحریر کرنے بیٹھیں گے اور آپ کے ذہن میں خیالات گونج رہے ہوں گے، جن کو آپ ایک خاص ترتیب دینا چاہتے ہیں۔ ایسی صورتِ حال میں بہتر یہ ہے کہ آپ خود کو مزید پریشان نہ کریں بلکہ کچھ جگہ چھوڑ کر آگے بڑھ جائیں اور پھر جب آپ کو مطلوبہ معلومات دستیاب ہو جائیں تو اس خالی جگہ کو پُر کردیں۔

لکھنے کا مرحلہ

علمی تحقیق میں سب سے مشکل مرحلہ نتائج کو صفحۂ قرطاس پر لانے کا ہوتا

ہے۔ اگر آپ بعض امور کا خیال رکھیں گے تو یہ مشکل مرحلہ بھی آسان ہو جائے گا۔ ان میں سے ایک بات یہ ہے کہ موضوع تحقیق کا مرکزی تصوّر آپ کے ذہن سے کبھی اوجھل نہیں ہونا چاہیے، ورنہ آپ ایسی وادی پرپیچ میں پڑ جائیں گے جس سے کسی واضح فکر کے ساتھ چھٹکارا پانا مشکل ہو جائے گا کہ آپ کا مقصد تحقیق کیا ہے۔ ان اسباب میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ اُن خیالات اور استنباطات کو نوٹ کرنا بھول جائیں جو آپ کے ذہن میں تحقیق کے دوران آتے رہے[1]۔

ریسرچ کا پہلا سال گزارنے کے بعد چاہیے کہ ہر دو یا تین مہینے میں ایک مقالہ یا باب تیار کریں اور اسے اپنے سپروائزر کو پیش کریں۔ آپ کو اُن کے تبصرے اور تنقید سے بہت فائدہ ہوگا۔ اس طرح ہر دو تین ماہ پر ایک باب یا مقالہ تیار کرنا آپ کو مرکزی موضوع پر اپنی توجہ مرکوز رکھنے میں معاون ثابت ہوگا اور یہی مقالات اور ابواب کچھ تبدیلیوں کے ساتھ بالآخر آپ کے تھیسس کو آخری شکل دیدیں گے۔

بہرحال تحقیق کے آغاز کے دو سال کے اندر آپ کو سنجیدہ طور سے تھیسس لکھنے کا آغاز کرنا چاہیے۔ صرف اسی طرح آپ تین سال گزرنے پر تھیسس داخل کرسکیں گے، جیسا کہ عام طور پر پی ایچ ڈی کے طلبہ کرتے ہیں۔

دلائل پیش کرنا

آپ کے لیے صرف یہ کافی نہیں ہوگا کہ اپنے تھیسس میں تحقیق کے آداب کا خیال کرتے ہوئے دلائل کا استعمال کریں، بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ قاری

خود فیصلہ کر سکے کہ آیا واقعی آپ کے دلائل اُن استنتاجات تک پہنچاتے ہیں جن کا آپ دعویٰ کر رہے ہیں ۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے آپ کو مختلف لوازمات کا استعمال کرنا پڑے گا مثلاً :

(۱) حواشی

(۲) مراجع کا اندراج

(۳) ضمیمے

ان لوازمات کے اہتمام کا واحد مقصد یہ ہوتا ہے کہ جن دلائل پر آپ کی تحقیق کی عمارت قائم ہے ان کو دوسروں کے لیے نمایاں کیا جائے ۔

حواشی اور مراجع کا اندراج

حواشی کا استعمال عام طور پر چند مقاصد کے تحت کیا جاتا ہے :

۱ ۔ موضوع سخن کی مزید وضاحت کے لیے یا کسی واقعے، جملے اور نکتے کی مزید تشریح کی خاطر جس کا ذکر مقالہ میں آیا ہے ۔

۲ ۔ ہم حاشیہ لکھنے پر اس وقت بھی مجبور ہوتے ہیں جب یہ محسوس ہوتا ہے کہ اصل مقالہ میں اس طرح کی تشریح عام سیاق اور تسلسل میں مخل ہوگی یا قطع کلامی کا باعث ہوگی، یا اصل مقالہ میں دئے گئے کسی اقتباس کے بارے میں اپنی رائے کی وضاحت کے لیے، خاص طور سے اگر آپ کے علم میں کوئی ایسی رائے یا دلیل ہے جو اس مذکورہ رائے کے برعکس ہے۔

۳ ۔ کسی بنیادی ماخذ سے اقتباس دینے کے لیے تاکہ جو کچھ آپ اصل مقالے میں کہہ رہے ہیں اس سے اس کی تائید ہو سکے ۔

۴۔ موضوعِ سخن سے متعلق کسی نکتے کا اضافہ کرنے کے لیے جس کا ذکر عام عبارت میں بے موقع معلوم ہوتا ہو۔

عام طور پر حاشیہ کا استعمال بحث میں وارد باتوں کی توثیق اور دلیل کو مضبوط کرنے کے لیے ہونا چاہیے۔ خاص طور پر اُس وقت آپ کو حاشیہ میں ماخذ یا دلیل دینی ہوگی جب آپ کے دعوے کے متعلق دو رائیں ہوسکتی ہیں۔ حاشیہ کی اصلی اور حقیقی غرض و غایت یہی ہے۔ یاد رکھیے کہ یونی ورسٹی تھیسس میں حواشی صفحات کے نیچے رکھے جاتے ہیں، باب یا کتاب کے آخری حصے میں نہیں جیساکہ اس وقت علمی کتابوں میں رائج ہے جہاں حاشیے باب یا پوری کتاب کے آخر میں ایک جگہ جمع کردیئے جاتے ہیں۔

حاشیوں میں ماخذ کے ذکر کرنے کے بارے میں کچھ متعین اصول ہیں جنہیں کبھی بھی نظرانداز نہیں کرنا چاہیے، کیوں کہ ان قواعد سے اِعراض آپ کی لاعلمی کی دلیل ہے۔

یہ بات مناسب نہیں ہے کہ حاشیوں اور ضمیموں کا استعمال محض اپنی علمیت کے اظہار کے لیے کیا جائے، کیوں کہ یہ چیز آپ کو ممتحن کے ہاتھوں پریشانی میں ڈال سکتی ہے۔ حواشی میں اکثر ایسی معلومات ڈال دی جاتی ہیں جن کا ''انکشاف'' آپ نے کیا ہوتا ہے اور آپ چاہتے ہیں کہ یہ معلومات ''ضائع'' نہ جائیں۔ ہوسکتا ہے کہ وہ معلومات آپ کے لیے نئی چیز ہوں لیکن ضروری نہیں کہ دوسرے محققین کے لیے بھی وہ نئی ہوں۔ آپ اس طرح کی اضافی معلومات کا استعمال بعد میں دیگر مقالات اور مضامین میں کرسکتے ہیں بجائے اس کے کہ اس کو اپنے پی ایچ ڈی کے مقالے

میں زبردستی ٹھونسیں۔

لمبے حواشی، جن میں آپ بہت ہی اہم مسئلے پر بحث کر رہے ہوں، اس بات کی دلیل ہیں کہ بحث آپ کے قابو میں نہیں ہے، اور آپ نے اجزا، کو ان کی صحیح جگہ پر نہیں رکھا ہے۔

حاشیے کا استعمال بالعموم اُن چیزوں کی تصدیق کے لیے ہوتا ہے جن کا ذکر یا دعویٰ آپ اپنی تحقیق میں کرتے ہیں۔ بسا اوقات آپ کو ہر جملہ بلکہ درمیانِ جملہ بھی حاشیہ رکھنے کی ضرورت ہو گی۔ یہ عام کتابوں میں پسندیدہ چیز نہیں ہے لیکن پی ایچ ڈی تھیسس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ کیونکہ یہاں مقصد یہ نہیں ہوتا کہ صفحہ خوب صورت دکھائی دے بلکہ ہر وہ چیز جو آپ کہہ رہے ہیں یا جس کا دعویٰ کر رہے ہیں، اس کی توثیق مقصود ہوتی ہے۔

یہ بھی ضروری ہے کہ حواشی واضح ہوں اور ان میں بالکل وضاحت کے ساتھ ان مآخذ کی نشاندہی ہو جن پر آپ نے اعتماد کیا ہے۔ اگر آپ نے ایک مصنّف کی کئی کتابوں سے استفادہ کیا ہے تو ایسی علامتوں کا استعمال مناسب نہیں ہے جن سے قاری التباس کا شکار ہو سکتا ہو۔

عام صورت حال میں حواشی سے متعلق آپ کے لیے دو باتوں کی رعایت ضروری ہے:

جو کچھ آپ کہنا چاہتے ہیں یا اپنے قاری تک منتقل کرنا چاہتے ہیں، بالکل واضح ہو اور پوری بحث میں صرف ایک طریقۂ کار اختیار کریں۔

حواشی کے سلسلے میں جو باتیں ہیں وہی عام نص پر بھی منطبق ہوں گی۔ مناسب یہی ہے کہ ان تمام معلومات اور نوٹس کو حذف کر دیا جائے جو

براہ راست آپ کے موضوع سے متعلق نہ ہوں۔

اسی طرح ان تمام اقتباسات کو حذف کر دیں جن کی خاص ضرورت نہ ہو اور جن کی عدم موجودگی سے بحث کے عام سیاق پر کوئی اثر نہ پڑتا ہو۔

بسا اوقات آپ کے لیے ایک دستاویز یا اقتباس کا خلاصہ پیش کرنا ہی کافی ہوگا چہ جائے کہ پوری پوری عبارت نقل کر دیں، کیونکہ مطلوب عام طور سے ایک جملے سے زیادہ نہیں ہوتا جو کہ آپ کے عام سیاقِ کلام کا جزء بن جائے۔ اگر آپ یہ محسوس کرتے ہیں کہ پوری دستاویز کا نقل کرنا ضروری ہے، تو ایسی صورت میں اگر وہ مختصر ہو تو اسے آپ حاشیے میں رکھیے اور اگر کافی طویل ہو تو مقالے کے آخر میں بطور ضمیمہ شامل کر لیجیے۔

ماخذ کی کتابیاتی فہرست کے سلسلے میں یہ بات ضروری ہے کہ مخطوطات اور مطبوعہ مراجع کا اندراج الگ الگ کیا جائے۔ مخطوطہ کے سلسلے میں یہ ضروری ہے کہ اس مجموعہ کا، اس کی جگہ اور وہاں پر اس کے نمبر کا ذکر کیا جائے۔ شائع شدہ مآخذ کا حوالہ دیتے وقت درج ذیل باتوں کا ذکر کریں :

(۱) مصنف کا مکمل نام (۲) کتاب کا نام (۳) مقام اشاعت (۴) تاریخ اشاعت (۵) جلد یا جزء نمبر اگر کتاب کئی جلدوں یا اجزاء پر مشتمل ہو۔

مآخذ کے اندراج کے ثانوی مقاصد میں سے ایک مقصد یہ بھی ہے کہ دوسرے محققین بھی اُن سے استفادہ کرسکیں۔ مناسب یہ ہے کہ مآخذ کے اندراج کے وقت ان کتابوں یا نگارشوں کا ذکر نہ کیا جائے جن کو آپ نے بذات خود نہیں دیکھا ہے۔ اگر اس طرح کے مآخذ کا وجود ہو تو جملہ مآخذ کے اخیر میں ایک ضمیمہ لگا دیا جائے، جس میں اس بات کی

وضاحت ہو کہ موضوع سے متعلق درج ذیل مآخذ ہیں، دستیاب نہ ہوسکے۔

علامتیں (رموز)

تقریباً وہ تمام علامتیں جو موجودہ عربی تحریروں میں رائج ہیں، دراصل اُن علامتوں کا ترجمہ ہیں جس کو مغربی محققین استعمال کرتے ہیں۔ مناسب ہے کہ ان علامتوں کے اصول آپ اچھی طرح سمجھ لیں تاکہ ان علامتوں کو بغیر کسی التباس کے بآسانی استعمال کریں۔ ضمیمہ "۲" میں آپ کو مغرب میں رائج علامتوں، ان کے مترادفات اور عربی و اردو زبانوں میں اُن کے معانی کی تفصیل ملے گی۔ دراصل یہ علامتیں اختصار پسندی یا مراجع کے بار بار ذکر سے اجتناب کے لیے کی جاتی ہیں۔ مثلاً:

۱۔ *op. cit.* یعنی وہی ماخذ جس کا ابھی ابھی اوپر حوالہ دیا گیا ہے مثلاً: Brocklemann, *op. cit.*, p. 30

یہ علامت اس وقت استعمال کی جاتی ہے جب مذکورہ ماخذ اس حاشیے سے زیادہ دور نہ ہو جس میں یہ علامت وارد ہو رہی ہے، اور اگر سابقہ صفحہ نمبر ہی مقصود ہے تو پھر صفحہ نمبر دینے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔

۲۔ *loc. cit.* یعنی وہ جگہ جس کا ابھی ابھی حوالہ دیا گیا ہے مثلاً:

Brocklemann, *loc. cit.*

اس علامت کا استعمال اس وقت کیا جاتا ہے جب کہ مراد صرف

وہی صفحہ یا وہی جگہ ہے جس کی طرف اس سے قبل ایک بار اشارہ کیا جا چکا ہو، بشرطیکہ وہ اس جگہ سے بہت دور نہ ہو جہاں پر اس علامت کا استعمال کیا جا رہا ہے۔

۳۔ ibid یعنی سابقہ جگہ یا ''محولہ بالا ماخذ''

اس علامت کا استعمال معاً بعد آنے والے حواشی میں کسی بھی مرجع کے ذکر کے لیے کرتے ہیں جب کہ حوالہ اسی مرجع کا ہو۔ اس کے ساتھ صفحہ نمبر کا بھی اضافہ کر دیں گے، اگر آنے والے حواشی میں صفحات مختلف ہوں اور صفحہ نمبر نہ لکھنے کا مطلب یہ ہوگا کہ مصنّف اس یا انہیں صفحات کا حوالہ دے رہا ہے، جن کا حوالہ اس سے پہلے ابھی دے چکا ہے۔ آپ مسلسل اس علامت کا استعمال کر سکتے ہیں جب تک وہ ماخذ آنے والے حواشی میں مسلسل مذکور ہو۔ لیکن اگر سلسلہ منقطع ہوگیا ہو تو حسب ضرورت مصنّف کے نام کے ذکر کے ساتھ آپ مرجع محولہ کے لیے op. cit. اور مکان محولہ کے لیے loc. cit. کا استعمال کریں گے۔

اگر سابق مرجع کافی فاصلے پر ہے تو اس کا اعادہ ایسی علامت کے ذکر کے ساتھ ہونا چاہیے جو سمجھ میں آسکے۔ مثال کے طور پر اگر آپ اپنے پورے مقالے میں طبری کی صرف ایک کتاب استعمال کر رہے ہیں تو آپ بطور علامت صرف "الطبري" دے سکتے ہیں۔ لیکن اگر آپ اُن کی تفسیر اور تاریخ دونوں کو ایک ہی مقالے میں استعمال کر رہے ہیں تو ان دونوں کے لیے آپ الگ علامتیں متعین کریں، مثلاً :

الطبري ، تفسير .....

شامل کریں۔ اگر دستاویز کوئی خط ہے تو پہلے لکھنے والے کا نام [illegible]

جس کے پاس بھیجا گیا ہے، اس کا نام، پھر لکھنے کی تاریخ اگر معلوم ہو۔ اُس جگہ کا نام بھی لکھیں، جہاں سے وہ خط بھیجا گیا (اگر اس کا موضوع سے کوئی تعلق ہو) ۔ اگر یہ تمام معلومات میسّر نہ ہوں تو اِس بات کا بھی ذکر کرنا ضروری ہے کہ فلاں فلاں معلومات میسّر نہیں ہیں ۔

اگر آپ ایسے دستاویزی مجموعے استعمال کر رہے ہیں جن کی فہرست سازی ابھی تک نہیں ہوئی ہے تو تعین کے ساتھ اس کے کسی حصّے کا حوالہ دینا مشکل ہوگا ۔ ایسی صورت حال میں اس حقیقت کا ذکر کرنا ضروری ہے لیکن اسی کے ساتھ ساتھ حوالے کے ضمن میں جتنی تفصیلات ہوسکیں اُن کا ذکر ضرور کریں ۔

مناسب یہ ہے کہ آپ صرف اُس مرجع کا ذکر کریں جس سے آپ نے کوئی عبارت اخذ کی ہو بجائے اس کے کہ آپ اخذ تو کسی ثانوی ماخذ سے کریں اور حوالہ اصل بنیادی ماخذ کا دیں ۔ یعنی اُس درمیانی مرجع کا ذکر نہ کریں جس سے آپ نے وہ عبارت لی ہے ۔ یہ علمی چوری بہت عام ہے جس کا راز بڑی آسانی سے فاش ہو جاتا ہے، خاص طور سے اُس وقت جب ناقل کسی ایسی غلطی کو بھی نقل کر دیتا ہے جو ثانوی مرجع کے مصنّف نے مذکورہ عبارت نقل کرتے وقت کی تھی ۔

ایسی صورت حال میں صحیح طریقہ یہ ہے کہ آپ اصلی مرجع کا ذکر کریں پھر قوسین میں ثانوی مرجع کا ذکر یوں کریں : نقلاً عن / بحوالہ فلاں ۔ آپ کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ اپنے طور سے مذکورہ اقتباس کی توثیق کر لیں اور پھر ایسی حالت میں اُس ثانوی ماخذ کا ذکر نہ کریں ۔

جو باتیں حواشی اور ضمیمہ جات کے سلسلے میں کہی گئی ہیں، ان کا انطباق مقالے کے نص یا عمومی بیان پر بھی ہوتا ہے۔ یہ بات درست نہیں ہے کہ حواشی اور ضمیمہ جات میں کسی ایسی چیز کو نقل کیا جائے جو عام بیان میں آنی چاہیے۔ بعض ریسرچ اسکالرز ایسا کرتے ہیں تاکہ مقالے کی روانی وسلاست باقی رہے۔ یا محض اختصار کی خاطر وہ یہ طریقہ اپناتے ہیں، جب کہ مناسب یہ ہے کہ عام بیان اپنے آپ میں مکمل ہو۔

تاریخیں

عربی اور مطالعاتِ اسلامی سے متعلق تحقیقات میں عصر حاضر سے پہلے کے زمانوں کے لیے ہجری اور عیسوی دونوں تاریخوں کا ذکر ایک ساتھ ہونا چاہیے اور اگر معاملہ اس کے برعکس ہے تو صرف عیسوی تاریخ کا ذکر کرنا کافی ہوگا۔

یہاں پر چند ایسی کتابوں کا ذکر کیا جا رہا ہے، جو سنہ عیسوی کو ہجری میں بدلنے اور ہجری کو عیسوی میں بدلنے میں مفید ثابت ہوں گی۔ مثال کے طور پر:

– محمد صالح البنداق ، التقويم الهادى (بيروت ١٤٠٠ / ١٩٨٠) ؛

- T.W. Haig, *Comparative tables of Muhammadan and Christian dates* (London 1932)

(میں خود مذکورہ بالا کتاب کو استعمال کرتا ہوں)۔

- G.S.P. Freeman-Grenville, *The Muslim and Christian calendars* (Oxford 1963);

وہی صفحہ یا وہی جگہ ہے جس کی طرف اس سے قبل ایک بار اشارہ کیا جا چکا ہو، بشرطیکہ وہ اس جگہ سے بہت دور نہ ہو جہاں پر اس علامت کا استعمال کیا جا رہا ہے۔

۳۔ *ibid* یعنی سابقہ جگہ یا "محولہ بالا ماخذ"

اس علامت کا استعمال معاً بعد آنے والے حواشی میں کسی بھی مرجع کے ذکر کے لیے کرتے ہیں جب کہ حوالہ اسی مرجع کا ہو۔ اس کے ساتھ صفحہ نمبر کا بھی اضافہ کر دیں گے، اگر آنے والے حواشی میں صفحات مختلف ہوں اور صفحہ نمبر نہ لکھنے کا مطلب یہ ہوگا کہ مصنّف اس یا انہیں صفحات کا حوالہ دے رہا ہے، جن کا حوالہ اس سے پہلے ابھی دے چکا ہے۔ آپ مسلسل اس علامت کا استعمال کر سکتے ہیں جب تک وہ ماخذ آنے والے حواشی میں مسلسل مذکور ہو۔ لیکن اگر سلسلہ منقطع ہوگیا ہو تو حسب ضرورت مصنّف کے نام کے ذکر کے ساتھ آپ مرجع محولہ کے لیے *op. cit.* اور مکان محولہ کے لیے *loc. cit.* کا استعمال کریں گے۔

اگر سابق مرجع کافی فاصلے پر ہے تو اس کا اعادہ ایسی علامت کے ذکر کے ساتھ ہونا چاہیے جو سمجھ میں آسکے۔ مثال کے طور پر اگر آپ اپنے پورے مقالے میں طبری کی صرف ایک کتاب استعمال کر رہے ہیں تو آپ بطور علامت صرف "الطبري" دے سکتے ہیں۔ لیکن اگر آپ اُن کی تفسیر اور تاریخ دونوں کو ایک ہی مقالے میں استعمال کر رہے ہیں تو ان دونوں کے لیے آپ الگ علامتیں متعین کریں، مثلاً:

الطبري، تفسير.....

الطبري ، تاريخ.....

اگر آپ ایک مصنّف کی کئی کتابیں استعمال کر رہے ہیں تو آپ یہ نہ کہیں : السيوطي ، .ماخذ محولہ بالا، اِلّا یہ کہ وہ ماخذ مراد سے بہت ہی قریب ہو ۔ بصورت دیگر دوسری علامتیں استعمال کریں، مثال کے طور پر :

السيوطي ، الدر (الدر المنثور فی التفسير بالمأثور)

السيوطي ، الإكليل (الإكليل فی استنباط التنزيل)

السيوطي ، إتقان (الإتقان فی علوم القرآن)

السيوطي ، شرح النسآئي (شرح سنن النسائي)

السيوطي ، تنوير (تنوير الحوالك شرح على موطأ مالك) ، وغیرہ

مجموعے

دستاویزوں کے مجموعے (مجاميع) کے استعمال کی صورت میں مناسب یہ ہے کہ حاشیے اور حوالے کے ذکر کے سلسلے میں جن لوگوں نے ان دستاویزات کو پہلے استعمال کیا ہے، اُن کی تقلید کی جائے ۔

مزید برآں آپ کے لیے مفید ہو گا کہ کسی ایسے محقق کا کام دیکھ لیں جس نے آپ کے مشابہ کام کیا ہو تاکہ آپ دیکھ سکیں کہ اس نے مآخذ کا استعمال کیسے کیا، کس طرح اس نے اُن کا حوالہ دیا، اور وہ کیا علامتیں (رموز) ہیں جن کا اس نے کتابوں اور مجموعوں کے لیے استعمال کیا ہے۔

بہر حال مجموعوں کا حوالہ دینے کا رائج طریقہ یہ ہے کہ مجموعے کا مکمل نام دیں پھر جلد نمبر اور صفحہ نمبر یا اُن صفحات کا نمبر جن سے عبارت لی گئی ہے۔ متعینہ مجموعے کا پہلی بار حوالہ دیتے ہوئے اس مجموعے کا مختصر تعارف بھی شامل کریں ۔ اگر دستاویز کوئی خط ہے تو پہلے لکھنے والے کا نام پھر

- H.G. Cattenoz, *Tables de concordance des Eres chretiennes et hegiriennes* (Casablanca 1954);
- C. H. Philips (ed.), *Handbook of oriental history* (London);
- V.V. Tsybulsky, *Calendars of Middle Eastern countries* (Moscow 1979).

سلوقی عہد (ماقبل اسلام) یا ترکی مالی تاریخ کو جاننے کے لیے یا انہیں عیسوی تاریخ میں تبدیل کرنے کے لیے درج ذیل کتاب کی طرف رجوع کریں:

F. Wüstenfeld-E. Mahler, *Vergleichungstabellen zur muslimichen und iranischen zeitrechnung...* (Wiesbaden 1961).

جہاں تک اسلامی شخصیات یا ان کے علاوہ مشاہیر تاریخ کی مختصر سوانح اور تاریخ وفات جاننے کا سوال ہے، تو اس کے لیے فی الحال سب سے اہم الزِرکلی کی الأعلام ہے، حالانکہ اس نے بہت سی شخصیات اور خاص طور پر غیر عرب مسلمانوں سے تغافل برتا ہے۔ مزید برآں اس کا استعمال ابجدی ترتیب کی وجہ سے جو نام کے پہلے حصّہ پر مشتمل ہے (جو عام طور پر مجہول ہوتا ہے) کافی مشکل ہے۔ ناموں کی ابجدی ترتیب کے لیے الزرکلی نے لقب یا نام کے آخری حصّہ کا انتخاب نہیں کیا ہے۔

مشاہیر تاریخ کے بارے میں یورپین زبانوں میں بہت سارے معاجم پائے جاتے ہیں لیکن انھوں نے عموماً مسلمانوں سے تغافل برتا ہے۔

عربوں کو طبقات و وفیات اور سیَر و سوانح کی کتابوں کی تصنیف میں سبقت حاصل ہے۔ شخصیات سے متعلق بہت سے معاجم مختلف زبانوں میں

دستیاب ہیں - ان میں سے بعض عربی اور غیر عربی مراجع کے لیے اس کتاب کی طرف رجوع کریں:

Geddes, *Guide to reference books for Islamic studies* (Denver 1985) pp. 203-29.

اعداد و شمار

ان دنوں اعداد و شمار کا استعمال اکیڈمک بحثوں میں کسی نکتے کو ثابت کرنے کے لیے عام ہو گیا ہے - یہ چیز مفید ہے مگر اس کا استعمال احتیاط کے ساتھ کیا جانا چاہیے، کیونکہ کوئی بدنیت شخص کسی بے بنیاد نقطۂ نظر کو ثابت کرنے میں بہ سہولت گڑھے ہوئے اعداد و شمار کا استعمال کر سکتا ہے۔ اس علم کی تشریح کے لیے بہت ساری کتابیں دستیاب ہیں اور ان میں سے بعض یہ ہیں:

M.J. Moroney, *Facts from figures* (London 1963);
W.O. Aydelotte, 'Quantification in history,' *American Historical Review* (April 1966);
H. M. Blalock, *Social statistics* (New York 1966).

مترادفات

مترادفات کے سلسلے میں یہ بات پیش نظر رہے کہ آپ اس زبان میں جس میں آپ لکھ رہے ہیں اُن اسماء و اصطلاحات کا استعمال کریں جو اس زبان میں رائج و معروف ہوں، بجائے اس کے کہ کسی نئے مترادف کی ایجاد کریں

مثال کے طور پر انگریزی زبان میں لکھتے وقت درج ذیل اسماء کو یوں لکھیں :

Damascus	(دمشق)	
Fez	(فاس)	
Egypt	(مصر)	
Cairo	(القاهرة)	(قاہرہ)
Tripoli	(طرابلس)	
Mosul	(الموصل)	(موصل)
Aleppo	(حلب)	
Oman	(عمان)	
Yemen	(اليمن)	(یمن)
Morocco	(المغرب)	(مغرب)
Iraq	(العراق)	(عراق)

اس کے برعکس اگر آپ عربی میں لکھ رہے ہیں تو یوں لکھیں گے، مثال کے طور پر :

الماسونية	Freemasonry	(فری میسنری)
الوجودية	Existentialism	(وجودیت)
المجر	Hungary	(ہنگری)
النمسا	Austria	(آسٹریا)
سويسرا	Switzerland	(سوئٹزرلینڈ)
الهند	India	(ہندستان)
بولندا	Poland	(پولینڈ)
الأرجنتين	Argentina	(ارجنٹین)

لاهای	The Hague	(ہیگ)
بلجيكا	Belgium	(بلجیم)
الولايات المتحدة	The United States	(امریکہ)
الفلبين	Philippines	(فلپین)
البرتغال	Portugal	(پرتگال)
فرنسا	France	(فرانس)
البنجاب	Punjab	(پنجاب)
البندقية	Venice	(وینیس)
الفاتيكان	Vatican	(ویٹیکن)

اہل زبان نے بعض اسماء پر آداتِ تعریف (الف، لام/The) داخل کیا ہے اور بعض پر نہیں۔ آپ کو ان کا اتباع کرنا ہے۔ اور یہی چیز بعض اسماء پر بھی منطبق ہوگی کیونکہ بعض ناموں کے ترجمے رائج ہو گئے ہیں، اور بعض ناموں کی تحریف ہو گئی ہے، مثلاً

ريتشارد قلب الأسد (Richard the Linon-Heart)،

صلاح الدّین (Saladin)، ابو علی سینا (Avicenna)، ابن رشد (Averroes) وغیرہ۔

(ذاتی طور پر میں بہت ساری رائج شدہ تحریفات اور خاص طور سے شخصیات کے ناموں کی تصحیح کو ترجیح دیتا ہوں۔)

جہاں تک اُن اسماء اور مصطلحات کا سوال ہے جو غیر معروف ہیں تو چاہیے کہ انھیں قوسینؔ کے درمیان اصل کے ساتھ ذکر کریں، مثلاً النقابية (Syndicalism)۔ مستحسن یہ ہے کہ اس طرح کی اصطلاحات کے نیچے ایک

خط کھینچ دیں یا انھیں قوسین " " کے درمیان لکھیں، تاکہ آپ انھیں نمایاں کر سکیں اور بعد اور پہلے وارد ہونے والے کلمات سے انھیں علیٰحدہ کر سکیں۔

عربی حروف کو لاتینی حروف میں منتقل کرنے کا طریقہ

اس طرح کی اسکیم کا مقصد یہ ہے کہ کوئی بھی شخص کسی لفظ یا متعین جملے کو بغیر کسی غلطی کے عربی حروف میں واپس منتقل کر سکے۔ یہ اسلوب یورپین اکیڈمک حلقوں میں عام ہے، لیکن انسائیکلو پیڈیا آف اسلام EI^2 کا اسلوب اس اسکیم سے دو بنیادی معاملوں میں مختلف ہے: جیم کے لیے dj کا استعمال (j کے بجائے) اور قاف کے لیے بجائے q کے ḳ کا استعمال (حرف k کے نیچے ایک نقطے کے ساتھ)۔ اور الفاظ کے آخر میں (ھ / ۃ) کو گرا دینا (مثلاً kalima بجائے kalimah کے)۔ غلطی کے امکان کی صورت میں ایک معکوس کاما کا اضافہ بھی کرنا چاہیے، مثلاً Ash'hab (أشهب) (ashhab کے بجائے)۔ آپ کو ضمیمے (۳) میں عربی، فارسی اور اردو الفاظ کو لاتینی خط میں منتقل کرنے کا طریقہ مل جائے گا۔

اختصارات

کتابوں یا مجلّات[۲] کے بعض ایسے اسماء جو آپ کے مقالے میں بکثرت استعمال ہو رہے ہوں، ان کو مختصر کیا جا سکتا ہے، مثال کے طور پر:

- كشف = مصطفى آفندى الحاج خليفة ، كشف الظنون (بغداد ب.ت.)؛
- الأزهرية = فهرس المكتبة الأزهرية وملاحقها ، ط. ٢ (القاهرة ١٣٧١/ ١٩٥٢)
- هدية = إسماعيل بن محمد البابانى البغدادي ، هدية العارفين (بغداد ب.ت)؛
- كشاف = محمد علي الفاروقي التهانوي ، كشاف اصطلاحات الفنون (بيروت ١٩٦٦)؛
- الأعلام = الزركلي ، الأعلام ، ط:٥ (بيروت ١٩٨٠).

BSOAS = *Bulletin of the School of Oriental & African Studies*, London;
EI1 = *Encyclopaedia of Islam*, 1st Edition;
EI2 = *Encyclopaedia of Islam*, New Edition;
IC = *Islamic Culture*, Hyderabad;
IJAHS = *International Journal of African Historical Studies*;
JAH = *Journal of African Historical Studies*;
IS = *Islamic Studies*, Islamabad;
MAP = *Muslim & Arab Perspectives*, New Delhi

اس قسم کے اختصارات اور علامتوں کے استعمال کی صورت میں مقالے کے آغاز میں اُن کی فہرست کا اضافہ کرنا ضروری ہوتا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ ان اختصارات سے متعلق مآخذ کی پوری تفصیل کتاب یا مقالے کے آخر میں مراجع اور مصادر کی فہرست میں ذکر کرنا ضروری ہے۔
اپنے پورے مقالے میں ان علامتوں اور اختصارات کا التزام کریں۔

جن کو آپ نے وضع کیا ہے۔ مقالے کے کسی دوسرے حصّے میں کوئی دوسری علامت وضع نہ کریں۔ جہاں تک علمی تحقیقات میں معروف اور متفق علیہ علامتوں کا سوال ہے تو آپ اس کی تفصیل اس کتاب کے ضمیمہ (۲) میں دیکھ سکتے ہیں اور ان معروف علامتوں کو اپنے مقالے کی علامتوں کی فہرست میں ذکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

کتابیاتی تفصیلات

کتابیاتی معلومات جو آپ اپنے مراجع و مصادر کے سلسلے میں ذکر کریں وہ صدفی صد درست ہونی چاہیے اور اگر ہوسکے تو مقالے کی اشاعت سے پہلے ان کتابیاتی معلومات پر نظرثانی کرلیں۔

کسی انسائیکلو پیڈیا کے مقالات کے استعمال کے وقت متعینہ مقالات کے مضمون نگاروں کا ذکر ضرور کریں۔ آپ کو ان کے نام مقالے کے آخر میں مل جائیں گے۔ اگر آپ کو وہاں ان مصنفین کے صرف مخفف اسماء ہی دستیاب ہوں تو ہر جلد کی ابتدار یا آخر میں درج فہرستِ مختصرات میں ان کے پورے نام مل جائیں گے۔

لاتینی حروف میں آپ کو ایٹالک حروف *Italics* (منحنی) میسّر ہیں۔ مقالوں میں اُن کا استعمال کتابوں اور مجلاّت کے اسمار کے لکھنے کے لیے کیا جاتا ہے نیز جملوں اور پیراگراف کو نمایاں کرنے کے لیے بھی کبھی کیا جاتا ہے۔ الیکٹرانک کمپوزنگ اور کمپیوٹر کے عام ہونے کی وجہ سے یہ حروف اب عربی زبان میں بھی دستیاب ہیں، البتہ کتابوں اور مجلاّت کے اسمار

لکھنے کے لیے ان کے استعمال کا رواج عام نہیں ہے ۔ لیکن عام ٹائپ رائٹر میں یہ سہولت میسر نہیں، جو بالعموم علمی تھیسس لکھنے میں استعمال کیا جاتا ہے (یا کم از کم اب تک کیا جاتا رہا ہے) ۔ ایسی صورت میں ان تمام حروف کے نیچے جن کے لیے ایٹالک حروف کا استعمال ہونا چاہیے ایک خط کھینچ دیا جاتا ہے ۔ کتاب کی اشاعت کے وقت ان تمام حروف کو عربی زبان میں گہرے کالے (بولڈ) یا منحنی حروف میں کمپوز کیا جاتا ہے ۔ جب کہ یورپین زبانوں میں صرف منحنی حروف میں کمپوز کیا جاتا ہے ۔ ٹائپ رائٹر سے لکھتے وقت کتابوں اور مجلّات کے نام کے نیچے خط کھینچ دیں ۔ اس کتاب میں ہم نے کتابوں، مجلّات اور جرائد کے نام کے لیے منحنی عربی حروف کو استعمال کیا ہے ۔ جو اب کمپیوٹر کے عام ہونے کی وجہ سے ہمیں آسانی سے دستیاب ہیں ۔

جہاں تک مجلّات میں شائع شدہ مقالات کے عناوین کا تعلق ہے تو اُن کو چھوٹے قوسین کے درمیان رکھیں اور مجلّے کے نام کے نیچے خط کھینچ دیں ۔ اسی طرح سے اگر کسی مجموعۂ مقالات کا ذکر ہو رہا ہے تو مجموعے کے نام کے نیچے خط کھینچا جائے گا اور جس مضمون یا مقالے کا ذکر ہو رہا ہے اُس کو دو اُلٹے کاموں ("   ") کے درمیان دیا جائے گا مثال کے طور پر :

Francis E. Peters, Allah's Commonwealth (New York 1975);

- أحمد بن علي المقريزي ، اتعاظ الحنفا بأخبار الأئمة الفاطميين الخلفا ، تحقيق جمال الدين الشيال (القاهرة ١٣٦٧/ ١٩٤٨) ؛

- عمر فروخ ، تجديد التاريخ (بيروت ١٤٠١/١٩٨٠) ص ٢٤٠ .

Marilyn R. Waldman, "Islamic Studies : A new orientalism," Journal of Interdisciplinary History VIII (1978), pp. 545-62;
A. K. S. Lambton, "The Merchant in mediaeval Islam," A Locust's leg: studies in honour of S. H. Taqizadeh (London 1962) pp. 121-30;
- عبد الأمير محمد أمين ، "مصادر تاريخ العراق والخليج العربى فى دار السجلات الحكومية الهندية فى بومباى" المؤرخ العربي ۹ (۱۹۷۸) ص ٦٢ - ٧٩.

کسی بھی مرجع کے حاشیے میں ایک بار تفصیلی ذکر کے بعد بار بار اعادے کی ضرورت نہیں، بلکہ اس مرجع کا ذکر بحث میں دوسری جگہوں پر اختصار کے ساتھ ہونا چاہیے - البتہ بحث کے آخر میں تمام مراجع کا بالتفصیل ذکر کریں گے۔ مذکورہ بالا مراجع کا کتاب یا مجلّے کی صورت میں درج ذیل طریقے پر ذکر کریں گے:

- Peters, Allah's Commonwealth;
- المقريزي ، اتعاظ الحنفا ؛
- فروخ ، تجديد التاريخ ؛
- Waldman, "Islamic studies";
- Lambton, "The merchant";
- أمين ، "مصادر تاريخ العراق. "

اگر مصنّف کا نام نامعلوم ہو تو کتاب یا مقالے کو ابجدی ترتیب میں "مجھول" (Anon.) کے تحت رکھا جائے گا۔ مثال کے طور پر:

مجهول ، كتاب المخزون جامع الفنون ، مخطوط عربي برقم ٢٨٢٦،

المكتبة الوطنية ، باريس.

عام طور پر ناشر کے نام کے ذکر کی ضرورت نہیں ہوتی ہے۔لیکن اگر کتاب اسلامی عربی ورثے سے تعلق رکھتی ہو اور اس کی طباعت ایک سے زائد بار ہو چکی ہو، تو بہتر ہے کہ ناشر کا نام بھی ذکر کر دیں۔ مثال کے طور پر:

السيرة النبوية لإبن هشام جسے بہت سے ناشرین نے چھاپ رکھا ہے۔

اگر تصنیف کسی خاص کتابی سلسلے کی کتابوں میں سے ایک ہے تو اس کے سلسلہ نمبر کا ذکر کرنا ضروری ہے۔ مثال کے طور پر:

- فهمي هويدى ، الإسلام فى الصين ، سلسلة عالم المعرفة،٤٣ (الكويت ١٤٠١ / ١٩٨١).

R. W. Bulliett, *The Patricians of Nishapur : a study in medieval Islamic social history,* Harvard Middle Eastern Studies, 16 (Cambridge, Mass. 1972).

مراجع کی فہرست بناتے وقت قطعاً ضروری نہیں ہے کہ ان تمام ثانوی مراجع کا ذکر کیا جائے، جن کی طرف آپ نے ایک یا دو بار اپنے مقالے میں رجوع کیا ہے یا جن کی طرف کہیں اشارہ کیا ہے۔ اس طرح کے مراجع کو فہرست مراجع میں نہ رکھنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔ لیکن ایسی صورت میں فہرستِ مراجع کا عنوان "اہم مراجع" یا "منتخب مراجع" Select Bibliography ہوگا۔

قرآن کریم کا حوالہ

استشراقی تحقیقات میں قرآن کریم کا حوالہ دیتے وقت عام طور پر مغربی

مصنفین[۱۳] آیات قرآنیہ کے نمبروں کے لیے جرمن اسکالر فلوگل[۱۴] کے قائم کردہ نمبروں کو استعمال کرتے ہیں کیونکہ مستشرقین مغرب اور یورپ کی ہر چیز کو برتر سمجھتے ہیں ۔ فلوگل کے قائم کردہ نمبر اسلامی ممالک میں رائج آیات نمبروں سے مختلف ہیں ۔ البتہ رچرڈ بل کی کتاب

Richard Bell, *Introduction to the Qur'an* (Edinburgh 1953)

ایسی فہرست پر مشتمل ہے جو فلوگل کی قائم کردہ آیات نمبر کو مصر کے شاہی مصحف "مصحف الملك" کے مطابق کر دیتی ہے ۔

سب سے بہتر شائع شدہ نسخہ جو قابل اعتماد ہے، وہ مصری شاہی مصحف ہے جو مصری حکومت کے زیر نگرانی شاہی دور میں جمال عبدالناصر کے انقلاب سے پہلے شائع ہوا تھا ۔ برصغیر ہند و پاک میں رائج مصاحف کے نمبر بسا اوقات مصری مصحف سے مختلف ہوتے ہیں، اس لیے علمی تحقیقات میں مصری نسخے پر اعتماد کیا جانا چاہیے ۔

قرآن کریم کے الفاظ کے لیے مختلف زبانوں میں بہت سارے انڈکس دستیاب ہیں ۔ مثال کے طور پر :

-ابراهيم بن عبدالله الأنصاري ، إرشاد الحيران لمعرفة آى القرآن (ب . م ، ب . ت.)

- Ahmad Shah, *Miftahul Qur'an: a concordance and complete glossary of the Holy Qur'an* (Benares 1906) 2 vols.

پہلی جلد الفاظ کی ڈکشنری ہے، دوسری جلد قرآن کریم کے کلمات پر

مشتمل ہے اور اس کی ترتیب ہجائی ہے۔

-ابراهيم سورتي نخابي ، كشف آيات القرآن (القاهرة ١٩٢٠) ٤١٦ص.

- محمد منير الدمشقي ، إرشاد الراغبين فى الكشف عن آى القرآن المبين (القاهرة ١٣٤٦هـ/ ١٩٢٨) ١-٢٦١ ص .

- محمد فارس بركات ، المرشد الى آيات القرآن الكريم و كلماته (دمشق ١٣٥٨ / ١٩٣٩) ١١+٦٥٣ ص .

- حسين نصار ، معجم آيات القرآن (القاهرة ١٩٦٥) ٢٧٩ ص .

- صالح ناظم ، دليل الحيران فى الكشف عن آيات القرآن (القاهرة ١٩٦٥) ٢٨٨ ص- یہ ترتیب زیبا - مطبوعہ استنبول ۱۲۸۴ھ/ ۱۸۶۷-۱۸۶۸ء کی دوسری اشاعت ہے۔

- محمد إسماعيل ابراهيم ، معجم الألفاظ والأعلام القرآنية ط ٢ (القاهرة ١٩٦٩) (دو اجزا ایک ہی جلد میں ہیں)

- مجمع اللغة العربية بمصر ، معجم ألفاظ القرآن الكريم (القاهرة ١٩٥٣ - ١٩٧٠) ۔ دو اجزا پر مشتمل ہے ۔

- محمد مظهر الدين مُلتاني ، مفتاح القرآن : مشتمل برحوالجات جمله الفاظ قرآن (لاهور ١٩٧٠) ٥٢٤ + ١١٢ص (اردو زبان میں ہے)

- حسين محمد فهمي الشافعي ، الدليل الكامل لآيات القرآن الكريم (القاهرة ١٩٧٢) ١٥ + ٤٧٥ ص .

- Al-Haj Khan Bahadur Altaf Ahmad Kherie, *A Key to the Holy Quran: index-cum-concordance...* (Karachi 1974);

- Hanna E. Kassis, *A Concordance of the Qur'an* (Berkley 1984) 1486 pp.

یہ الفاظِ قرآن کریم کا انڈکس ہے اور موضوعات کے لیے گائڈ بھی ہے۔ سب سے بہتر اور آسان انڈکس محمّد فواد عبدالباقی کا ہے جو المعجم المفهرس لألفاظ القرآن الكريم کے نام سے بکثرت دستیاب ہے۔

گول لابوم نے قرآنی مضامین کی ایک ڈکشنری فرانسیسی زبان میں تیار کی ہے جس کا عربی ترجمہ محمّد فوّاد عبدالباقی نے تفصيل آيات القرآن الكريم کے نام سے کیا ہے۔ لیکن تاحال ایسے معجم کی ضرورت محسوس کی جارہی ہے جو قرآن کے تمام موضوعات و مضامین پر مشتمل ہو۔

قرآنی آیات کا حوالہ دینے کے لیے دو طریقے رائج ہیں:

(۱) سورۃ کا نام پھر آیت نمبر کولن کے نشان کے بعد۔

(۲) سورۃ کا نمبر پھر آیت نمبر کولن کے نشان کے بعد، مثلاً:

- لو كان فيهما آلهة إلا الله لفسدتا" (الأنبياء : ٢٢) .

- الذى علَم بالقلم . علَم الإنسان مالم يعلم" (٩٦ : ٤-٥)

مذکورہ بالا طریقوں میں سے کوئی بھی طریقہ آپ اختیار کر سکتے ہیں۔ لیکن ضروری یہ ہے کہ آپ جس کسی کو بھی اختیار کریں اس پر اپنی پوری تحقیق میں قائم رہیں۔

احادیث کا حوالہ

احادیث نبویہ کا حوالہ دیتے وقت باب اور فصل (یہاں تک کہ حدیث نمبر بھی اگر ممکن ہو) ذکر کرنا نہ بھولیں۔ اس طرح سے حدیث مذکور کو جو دیکھنا چاہے گا اس کے لیے آسانی ہوگی۔ مشکل اس وقت دو چند ہو جاتی ہے جب

اسکالر صرف صفحہ اور جلد نمبر کا ذکر کر کے چھوڑ دیتا ہے۔ کیونکہ یہ کتابیں متعدد اشاعتوں میں دستیاب ہیں۔ یہی چیز ان اسلامی مآخذ پر بھی صادق آتی ہے جن کی متعدد اشاعتیں پائی جاتی ہیں۔

الفاظِ حدیث کے جتنے انڈکس اب تک شائع ہوئے ہیں، ان میں سب سے بہتر انڈکس وِنسِنک A.J.Wensinck اور ان کے ساتھیوں کا تیار کردہ ہے۔ یہ انڈکس المعجم المفهرس لألفاظ الحديث النبوي کے نام سے لائڈن میں ۱۹۳۶-۱۹۶۹ کے دوران چھپا ہے۔ یہ مندرجہ ذیل کتبِ حدیث کا انڈکس ہے:

صحيح البخاري، صحيح مسلم، مسند أحمد بن حنبل، سنن ابن ماجة، سنن الترمذي، سنن النسائي، الموطأ للإمام مالك، سنن الدارمي اور سنن أبي داود۔

لیکن تجربہ سے معلوم ہوا کہ یہ انڈکس ان کتابوں کا بھی پورا پورا احاطہ نہیں کرتا ہے۔ اور بعض دوسری اہم کتب حدیث سے صرف نظر کیا گیا ہے۔ تاحال ایسے انڈکس کی ضرورت ہے، جو احادیث نبویہ کے تمام الفاظ پر مشتمل ہو کیونکہ وِنسِنک اور ان کے ساتھیوں نے اس انڈکس کو یورپین استشراقی مفاہیم و مقاصد کے تحت مدوّن کیا ہے[۵]۔

اسی طرح ونسِنک نے احادیث کے موضوعات کا بھی ایک ابجدی انڈکس مرتب کیا ہے۔ جو *Handbook of early Muhammadan tradition* کے نام سے لائڈن میں ۱۹۲۷ء میں چھپا ہے۔

مختصراً یہ کہ احادیث اور فقہ کی کتابوں اور انڈکس، ڈکشنریوں اور انسائیکلو پیڈیاز کا حوالہ دیتے وقت صرف جلد یا صفحہ نمبر پر اکتفا نہ کریں بلکہ باب اور فصل

کا عنوان بھی ضرور نقل کریں، یہاں تک کہ اگر آپ کسی انسائیکلو پیڈیا کے ضمیمے کا حوالہ دے رہے ہیں تو اس کی بھی صراحت ضرور کریں، کیونکہ جب ان کی اشاعتیں مختلف ہوں اور کوئی شخص جو بات آپ نے نقل کی ہے' اس کی توثیق کی خواہش رکھتا ہو تو اسے ان مصادر کی طرف رجوع کرنے میں بڑی دقت پیش آئے گی۔

مقالے کی ترتیب و تنظیم

پی ایچ ڈی مقالے عام طور پر مندرجہ ذیل مندرجات پر مشتمل ہوتے ہیں اور ترتیب حسب ذیل ہوتی ہے:

۱۔ مقالے کا عنوان Title

۲۔ مقالے کی تلخیص Abstract

۳۔ اس بات کا اعلان کہ یہ تحقیق اصلی ہے اور اسے کسی اور یونی ورسٹی میں ڈگری کے لیے نہیں پیش کیا گیا ہے۔ Declaration

۴۔ انتساب (اگر آپ چاہیں) Dedication

۵۔ اظہار تشکر Acknowledgement

۶۔ عربی حروف کو لاطینی حروف میں منتقل کرنے کا طریقہ-Translitera-tion scheme (اگر مقالہ ایسی زبان میں ہے جو عربی حروف میں نہیں لکھی جاتی ہے مثلاً عربی، فارسی اور اردو وغیرہ)

۷۔ علامتیں اور اختصارات Abbreviations

۸۔ مقدّمہ Introduction

۹۔ فہرست مضامین (باب در باب) Table of contents

۱۰۔ اصل مقالہ

۱۱۔ مقالے میں آنے والی اصطلاحوں کی تشریح Glossary

۱۲۔ فہرستِ مآخذ Bibliography حسب ذیل تقسیم کے ساتھ:

۱۔ بنیادی مراجع Primary sources

۲۔ ثانوی مراجع Secondary sources

ایسی کتابیں لائبریریوں میں موجود ہوتی ہیں جن کی طرف فنی امور کے لیے رجوع کیا جانا چاہیے اور مقالہ لکھتے وقت ان کا لحاظ رکھنا چاہیے[۵]۔ یہاں پر ہم ان فنی امور کے بعض پہلوؤں کی طرف اشارہ کرنے پر اکتفا کریں گے۔

اگر آپ کا مقالہ ایسے موضوعات سے بحث کر رہا ہے جن کو آپ سے پہلے کسی نے اپنا موضوع سخن نہیں بنایا ہے تو بہتر ہوگا کہ مقدمے میں اپنے مآخذ کا ذکر کر دیں۔ مثال کے طور پر مخطوطات، نادر مطبوعہ کتابیں اور نجی دستاویزات جن پر آپ نے اعتماد کیا ہے۔ ساتھ ہی ان مآخذ کی علمی قدر وقیمت بھی بیان کریں۔ اگر آپ ایسے مخطوطات استعمال کر رہے ہیں جن کا تذکرہ شائع شدہ فہرستوں میں نہیں پایا جاتا ہے تو ان کا تذکرہ بھی کسی قدر تفصیل سے کریں۔ آپ ان مصادر کو مقالے کے آخر میں اپنی فہرستِ کتابیات میں دوبارہ درج کریں گے۔

مقدمے کے آخر میں یا کسی الگ صفحے پر ان لوگوں کا شکریہ ادا کرنا ضروری ہے جنھوں نے مقالے کی تیاری میں آپ کے ساتھ تعاون کیا ہے۔

پی ایچ ڈی کے مقالے کے اوراق کا سائز عام طور پر A4 (۲۱×۲۹.۵

سینٹی میٹر) ہوتا ہے۔ یہ سائز اس وقت پوری دنیا میں رائج اور عام ہے فوٹو کاپی مشینوں اور کمپیوٹر پرنٹرز میں بالعموم یہی سائز استعمال ہوتا ہے فل اسکیپ یا کوارٹو سائز کے کاغذات کا استعمال اب اچھا نہیں سمجھا جاتا۔

مقالے کی طباعت کرتے وقت دو سطروں کے درمیان ایک سطر کی جگہ چھوڑی جاتی ہے جسے عرف عام میں double spacing کہتے ہیں۔ البتہ حواشی اور اقتباسات کی طباعت کے وقت دو سطروں کے درمیان فاصلہ نہیں چھوڑا جاتا۔ لمبے اقتباسات جو تین سطر یا دو جملوں سے زائد ہوں انھیں ایک حوض (Indent) میں دیا جاتا ہے جس میں دونوں طرف سے سطریں چھوٹی ہوتی ہیں۔

مقالے کے اندر کوئی چیز جس کا حجم مقالے کے اوراق سے بڑا ہو مثلاً خاکہ یا نقشہ نہ رکھیں۔ البتہ گائڈ کی اجازت سے رکھ سکتے ہیں اور ایسی صورت میں مقالے کی جلد کے ساتھ اندرونی حصے میں ایک جیب بنا دیا جائے گا جس میں یہ خاکہ یا نقشہ رکھا جائے گا۔

مقالے کے صفحات کی نمبرنگ ابتدا سے لے کر انتہا تک تسلسل کے ساتھ ہونی چاہیے، خواہ مقالہ کئی جلدوں پر مشتمل ہو۔

پی ایچ ڈی مقالہ جات کو اسی زبان میں لکھنا چاہیے، جو آپ کے مقالے کے لیے متعین کر دی گئی ہے یا یونی ورسٹی کی مقرر کردہ زبان ہے۔ البتہ مقالے میں دوسری زبانوں کے نصوص بعینہٖ نقل کیے جا سکتے ہیں لیکن ساتھ ساتھ اُن کا ترجمہ بھی درج کرنا ہوگا۔

آپ مقالے کے کسی جزء کی جب تک ایک اور کاپی تیار کر کے محفوظ نہ

کرلیں کسی کو نہ دیں خواہ آپ کے گائڈ ہی کیوں نہ ہوں، کیونکہ اس کے ضائع ہونے کا پورا امکان رہتا ہے۔ ایسی صورت میں مقالے کے اس حصّے کو دوبارہ لکھنا مشکل بلکہ بسا اوقات محال ہوگا۔ یہی طریقہ آپ مقالات' مضامین، اور اپنی کتابوں کے مخطوطات کو مجلّات اور ناشر حضرات کے پاس بھیجتے وقت اختیار کریں۔

مقالات کی کاپیاں کاربن سے نکالنے یا اسٹینسل پیپر سے طباعت کا زمانہ گزر گیا۔ اس وقت زیروکس مشینیں عام ہو چکی ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ آپ تصحیح شدہ آخری نسخہ تیار کرلیں پھر اس سے یونی ورسٹی کے لیے مطلوبہ نسخے بنائیں اور اصل نسخہ اپنے پاس ہی محفوظ کرلیں۔ حال میں کمپیوٹر کے عام ہونے کی وجہ سے پی ایچ ڈی مقالات کی طباعت اور بھی آسان ہوگئی ہے۔ اب تمام غلطیوں کی تصحیح بغیر کسی پریشانی کے ممکن ہے۔ پھر مطلوبہ نسخے لیزر پرنٹر سے ہی چھپوا سکتے ہیں، یا آخری نسخہ اس طرح تیار کرلیں کہ پھر زیروکس مشینوں سے اس کی کاپیاں تیار کرلی جائیں۔

فہرستِ مآخذ

مقالے کے آخر میں مآخذ کی ایک ایسی فہرست دیجیے جن سے آپ نے استفادہ کیا ہے۔ بعض حضرات ان مراجع کو مختلف اقسام میں بانٹ دیتے ہیں، جیسے "مخطوطات"، "عربی" اور "انگریزی" کتابیں اور "رسائل" وغیرہ لیکن اس طرح کی ترتیب پریشان کن ہے —— سب سے بہتر طریقہ مآخذ کے سلسلے میں یہ ہے کہ اسے صرف دو۲ حصّوں میں تقسیم کیا جائے: بنیادی

مآخذ Primary sources اور ثانوی مآخذ Secondary sources ۔

اس تقسیم کا مقصد یہ ہے کہ فہرست کے پہلے حصے میں ان مخطوطات اور بنیادی کتابوں کے نام درج کریں جو بنیادی نوعیت کے ہیں یا جن سے آپ نے مقالے میں بنیادی طور سے استفادہ کیا ہے یا آپ کے موضوع بحث میں اُن کا بنیادی کردار رہا ہے ۔ قدیم اسلامی مراجع، خاص طور پر عربی اور فارسی کی کتابوں کو، اِس فہرست میں جگہ دیں ۔

فہرست کی دوسری قسم (ثانوی مآخذ) میں اُن کتابوں کے نام اور جدید مقالات کے عناوین کا ذکر کریں گے جو آپ ہی کی طرح بنیادی مآخذ کی تحلیل وتنقید کر کے اور اُن سے معلومات اخذ کر کے علمی مقالات اور کتب تیار کرتے ہیں ۔ مآخذ کا ذکر بنیادی مآخذ سے لے کر ثانوی مآخذ تک مسلسل اور نمبروار ہونا چاہیے ۔

فہرست مراجع میں ترتیب وار جو معلومات مقصود ہوں گی وہ یہ ہیں:

مصنّف کا نام (پہلے خاندانی لقب یا نام کا آخری جز بغیر کسی فخری لقب اور کنیّت کے پھر بقیہ نام)، پھر کتاب کا پورا نام (اس کے نیچے ایک خط کھینچ دیں گے اور الیکٹرانک کمپوزنگ کی سہولت حاصل ہونے کی صورت میں اُسے خط منحنی Italics میں لکھیں گے)، پھر محقق Editor کا نام یا جامع (مرتب) Compiler کا نام یا مترجم کا نام (اگر پائے جاتے ہوں)، پھر مقام اشاعت اور سنِ اشاعت اور ان دونوں کو بڑے قوسین کے درمیان رکھیں گے ۔ اگر مقالات کا تعلق مجموعوں، مجلّات اور انسائیکلوپیڈیاز سے ہے تو جلد نمبر اور صفحہ نمبر بھی درج کریں گے ۔ انسائیکلوپیڈیا کے استعمال

کی صورت میں مضمون کا عنوان بھی ذکر کریں ۔ مثال کے طور پر:

عطیة الله ، أحمد ، القاموس الإسلامي (القاهرة ١٩٦٦) ٢ / ٤١-٤٢
(مادة "حجاز".)

مغربی مصنفین کے لقب یا نام کا آخری جزء لکھنے کے بعد ان کے اسماء کا مخفف طور سے ذکر کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، مثلاً:

Harrison, N., *Writing English: a user's manual* (London 1985).

یہ بڑی غلطی ہوگی کہ آپ فہرست مراجع میں صرف مجلّات یا انسائیکلو پیڈیا کا نام لکھ دیں اور اُن مقالات کے عناوین نہ درج کریں جن کی طرف آپ نے رجوع کیا ہے ۔ یہ غلطی ہندستانی اور عربی مقالات میں عام طور پر دیکھنے میں آتی ہے ۔ لہٰذا مناسب یہ ہوگا کہ ہر مقالے کو علیٰحدہ اس کی صحیح جگہ پر مصنّف کی ابجدی ترتیب کے اعتبار سے رکھیں ۔

آخر میں یہ کہنا چاہوں گا کہ یہ فنی پہلو جن کا ہم نے اوپر کے صفحات میں ذکر کیا ہے بذات خود مقصود نہیں ہیں کیونکہ کسی مقالے میں صرف ان امور کا پایا جانا اُس کی وقعت اور گہرائی کا بدل نہیں ۔ مقالے کا حقائق، معلومات، تحلیل اور تنقید سے خالی ہونا اُس کی کامیابی کا ضامن نہیں ہے، چاہے وہ فنی اعتبار سے کتنا ہی پختہ ہو ۔ اسی کے ساتھ اگر معلومات و حقائق ان فنی قواعد کا لحاظ کیے بغیر جمع کر لی جائیں تو یہ رطب و یابس کا ڈھیر ثابت ہوں گی۔ لہٰذا علمی مقالے میں دونوں ہی عناصر کا پایا جانا ناگزیر ہے، تاکہ اسے کامیابی

قبول عام اور بقاء حاصل ہو سکے۔

---

[1] ڈاکٹریٹ کی تیاری کے سالوں میں میرے ذہن میں بہت سارے نکات اور خیالات آئے اور میں بسا اوقات نصف شب میں اپنے بستر پر اٹھ بیٹھتا اور انہیں نوٹ کر لیتا۔ یہ نکات مقدمے اور مقالے کے نتائج لکھتے وقت بہت مفید ثابت ہوئے۔

[2] علمی حلقوں میں مغربی مجلات و رسائل کے لیے رائج مخفف اسماء کے لیے دیکھیے Pearson, *Index Islamicus* (جس کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے)۔

[3] یاد رہے کہ مستشرقین قدیم عربی مراجع کا حوالہ دیتے وقت یورپین ایڈیشنوں ہی کا حوالہ دیتے ہیں، اگر وہ دستیاب ہیں۔

[4] Gustav Flügel, *Concordance Corani arabicae* (Leipzig 1842)

[5] آج کل الفاظ حدیث کا ایک انڈکس عمان میں تیار کیا جا رہا ہے اور اس کے ذمہ داروں میں ڈاکٹر عبد الرحیم سعید ہمام استاذ شریعت اسلامیہ اردن یونی ورسٹی (عمان) شامل ہیں۔ آپ اردنی پارلیمنٹ کے ممبر بھی ہیں۔ جنوری ۱۹۹۵ء میں ہندستان کے سفر کے موقع پر انھوں نے مجھے بتایا کہ یہ پروجیکٹ اس وقت اپنے آخری مرحلے میں ہے اور اس کا زیادہ تر حصہ کمپیوٹر میں داخل کیا جا چکا ہے۔

[6] ان مآخذ میں بطور مثال یہ بھی شامل ہیں:

P.G. Burbridge, *Notes and references; preparation of manuscripts* (Cambridge);
G.V. Carey, *Making an index* (Cambridge);
Kate L. Turabian, *A Manual for writers of term papers* (Chicago 1967);
George Watson, *Literary thesis* (London 1970);
University of Chicago Press, *A Manual of style*, twelfth edition (Chicago 1970);
Judith Butcher, *Copy-editing: the Cambridge handbook* (Cambridge 1975);

Oxford University Press, *The Oxford dictionary for writers and editors* (Oxford 1981);
A.S. Maney *et. al., M. H. R.. A. style book* (London 1981).
R.P. Misra, *Research methodology - a handbook* (Delhi 1991).
Jacques Barzun *et.al.. The Modern research* (New York 1957).

پی ایچ ڈی تھیسس لکھنے اور اس سے متعلق موضوعات پر اس وقت عربی زبان میں بہت سی کتابیں آچکی ہیں (اگرچہ اس میں سے بعض جن کو دیکھنے کا اتفاق مجھے ہوا اُس سطح کی نہیں ہیں جو مغربی کتابوں کی ہے) ان میں سے بعض یہ ہیں :

- أحمد شلبي ، كيف تكتب بحثا أو رسالة
- عبدالعزيز شرف ومحمد عبدالمنعم خفاجي ، كيف تكتب بحثا جامعيا
- حلمي محمد فودة ، المرشد فى كتابة الأبحاث
- إميل يعقوب ، كيف تكتب بحثا
- محمد عبدالمنعم خفاجى ، البحوث الأدبية
- ثريا ملحس ، مصطلح البحث
- على جواد الطاهر ، منهج البحث الأدبي
- صالح إبراهيم العسال ، العلوم السلوكية - مدخل إلى البحث

علمی مجلّات کے لیے مقالات کیسے لکھیں؟

علمی مجلات یا مقالات پر مشتمل کتابوں کے لیے لکھے گئے مقالات کے لیے ضروری ہے کہ وہ علمی ریسرچ کے اعلیٰ ترین معیار سے مزیّن ہوں۔ مقالے کو مؤثر بنانے کے لیے انتہائی ضروری ہے کہ متعین موضوع سے غیر متعلق اور خارجی مسائل سے کلی اجتناب کیا جائے۔ مقالہ نگاروں کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ مقالے کے متعین طول اور شکل کی پوری مراعات کریں تاکہ مطلوبہ نتیجہ حاصل ہو سکے۔

مقالات کے حجم اور شکل سے متعلق بالعموم چھے چیزوں کا خیال کیا جاتا ہے، جن کی تفصیل حسب ذیل ہے :

(۱) تمہید

(۲) مجالِ بحث

(۳) بحث کا بنیادی ہیکل

(۴) استنتاجات

(۵) مترتب شدہ نتائج

(۶) مآخذ

ان امور کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۱- تمہید

ہر مقالے کو ایک عمومی تمہید کے ساتھ شروع ہونا چاہیے، جس میں موضوعِ بحث کا عمومی تعارف ہو۔ مقالہ نگار کو چاہیے کہ تدریجی طور سے عمومی تعارف کرتے ہوئے ان پہلوؤں کی تحدید کرے جن کا مطالعہ وہ اپنے مقالے میں کرے گا، متعین موضوع کی خصوصی مشکلات بتائے جن کی وجہ سے اختلافات پیدا ہو سکتے ہیں یا جو اہمیت کے حامل ہیں یا جن کو حل کرنے کی ضرورت ہے یا جن کے بارے میں رائج تفسیر یا نقطۂ نظر کی مقالہ نگار کی رائے میں اصلاح کی ضرورت ہے۔

۲- مجالِ بحث

تمہید ختم ہونے پر مقالہ نگار اپنے مقالے کے اس حصّے میں زیادہ ترکیز سے اپنے موضوع بحث پر روشنی ڈالتا ہے اور عمومیات سے اس حصّے میں اجتناب کرتا ہے۔ مقالہ نگار کو چاہیے کہ اس حصّے میں بغیر کسی تردّد و توقّف کے قارئین کو اس متعینہ موضوع کے اختیار کرنے کا سبب بتادے

اور جن پہلوؤں سے وہ تعرض کرے گا ان سے بھی باخبر کر دے تاکہ قارئین سمجھ جائیں کہ مقالہ نگار ان خصوصی پہلوؤں پر کیوں توجہ دے رہا ہے اور انھیں مقالہ نگار کے نظریاتی رجحان کا پتہ بھی چل جائے۔

۳۔ مقالے کا بنیادی ہیکل

اس حصے میں مقالہ نگار مسئلے کے تفصیلی مطالعے کی طرف توجہ دیتا ہے اور اپنے ان نظریات کو ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے جن کی مقالے کے سابقہ حصے (مجالِ بحث) میں اس نے نشاندہی کی ہوتی ہے۔ مقالہ نگار کو چاہیے کہ اپنے دلائل کو انتہائی مربوط انداز میں پیش کرے، بالکل ایسے ہی جیسے کہ معمار ایک اینٹ کو دوسری اینٹ پر رکھتا جاتا ہے۔ اس طرح سے مقالے کا یہ حصہ طاقت ور اور مؤثر بنے گا۔

ہر مقالہ نگار کو جاننا چاہیے کہ اس کے مقالے کا اصل جزء یہی ہے اور یہیں اس کے مقالے کی قوت یا کمزوری ظاہر ہوگی۔ اس جزء میں گفتگو کی نوعیت اور گہرائی مقالہ نگار کے تجربے اور لیاقت کی دلیل ہوگی۔ نقاد حضرات اور قارئین اس مقالے کے بارے میں فیصلہ اس جزء میں ہونے والی گفتگو کی بنیاد پر کریں گے۔

مقالہ نگار کو چاہیے کہ اقتباسات کی کثرت اور طوالت سے اجتناب کرے۔ یہ بھی از حد ضروری ہے کہ یہ اقتباسات مقالہ نگار کی اپنی گفتگو کا بدل نہ بنیں بلکہ اس کی تائید کریں۔

۴- استنتاجات

گفتگو اور دلیلوں کو پیش کرنے کے بعد مقالہ نگار کو چاہیے کہ اُن سے مترتب نتائج کی وضاحت کرے۔ یہ ضروری ہے کہ اس حصّے میں مقالہ نگار ان دلیلوں کی تکرار نہ کرے جن کو وہ اپنے مقالے کے تیسرے حصّے میں پیش کرچکا ہے۔ قوی استنتاجات کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ محض دعوے نہ ہوں بلکہ وہ مقالہ نگار کی پیش کردہ دلیلوں سے اخذ کیے ہوئے منطقی بیانات ہوں۔ یہ بھی ضروری ہے کہ یہ استنتاجات اُن خیالات کی تائید کر رہے ہوں جن کا ذکر مقالہ نگار نے مقالے کے دوسرے جزو (یعنی مجالِ بحث) میں کیا ہے۔

۵- مترتّب نتائج

"استنتاجات" وہ ہیں جو کہ مقالہ نگار کی گفتگو اور دلیلوں سے قدرتی طور پر مترشح ہوتے ہیں، جب کہ "مترتب نتائج" وہ ہیں جن میں یہ واضح کیا جاتا ہے کہ مذکورہ استنتاجات کا انطباق علاقائی، قومی اور بین الاقوامی حالات پر کیسے ہوتا ہے۔

۶- توثیق اور مآخذ

علمی مقالوں کے لیے ضروری ہے کہ ان کی مکمل توثیق ہو۔ دوسرے لفظوں میں اپنے ہر دعوے اور ایسے استنتاجات جن کی صحت کے بارے

میں دوسروں کو شک ہو، اُن کے لیے دلیل اور حوالے پیش کرنا مقالہ نگار کے لیے ازبس ضروری ہے۔ توثیق (یعنی بحث کو حوالوں سے مستند کرنا) ہی جدید علمی رِیسرچ کی نمایاں ترین علامت ہے۔ مقالہ یا باب کے حاشیوں کے نمبروں کو شروع سے آخر تک مسلسل ہونا چاہیے اور انھیں ہر صفحے کے نیچے دینے کے بجائے مقالے کے آخر میں رکھنا چاہیے۔ حاشیے کو مکمل ہونا چاہیے یعنی مصنّف کا نام، کتاب کا نام، طباعت کی جگہ، ناشر کا نام، سالِ طبع اور جلد اور صفحہ نمبر کی تمام تفصیلات مقالے میں کسی حوالے کے پہلی بار ذکر کرنے پر دینا چاہیے۔ آگے آنے والے حاشیوں میں حوالوں کو دوبارہ ذکر کرنے پر اتنی تفصیل کی ضرورت نہیں ہے بلکہ مصنّف کا نام، کتاب کا نام اور جلد اور صفحہ نمبر دینا کافی ہے۔

حوالہ جات کا ذکر کتاب یا مجلہ کے لحاظ سے مختلف انداز سے کیا جاتا ہے، مثلاً:

- صبحی الصالح ، النظم الإسلامية، بيروت: دارالعلم للملايين، ط ٥، ١٩٨٠، ص ١٠٠؛

- عبد المجيد التركي، "وثائق عن الهجرة الأندلسية الأخيرة الى تونس"، حوليات الجامعة التونسية، تونس ٤(١٩٦٧) ص ٢٣ - ٨٢.

Shahid Athar, *Reflections of an American Muslim* (Chicago? 1994) pp. 83ff;

Muhammad Hasibor Rahman, "Muslims and foreigners in Assam," *Muslim & Arab Perspectives* 3:7-12 (New Delhi 1996) p. 293.

ضمیمہ ۲

مغربی تصنیفات میں بالعموم استعمال ہونے والے
رموز و اختصارات(۱)

رمز / اختصار	لاتینی اصل	انگریزی اصل (اگر اختصار ہو)	انگریزی معنی	عربی مترادف	اردو مترادف
Anon.	–	Anonymous	–	مجہول (مؤلف مجہول)	مجہول / نامعلوم (مجہول مصنف)
art.	–	article	–	مقال	مقالہ
cf.	*compare*	–	confer	قارنْ	مقارنہ کیجئے/ ملا لیجئے
codex	–	–	manuscript	مخطوط	مخطوطہ
ed.	–	editor / edition	–	محقق / تحقیق	تحقیق / ایڈیٹر/مرتب

اور دوسرے [یعنی ذکر کردہ مصنف کے علاوہ دوسرے شرکاءِ تصنیف]	وآخرون [أی مؤلفون اخرون إلی جانب اسم المؤلف المذکور فی المرجع]	and others	–	*et alii*	*et. al*
اور اگلا صفحہ	والصفحة التالية	–	and the following page	–	*f.*
اور اگلے صفحات	والصفحات التالية	–	and the following pages	–	*ff.*
[مخطوطے کا] ورقہ / صفحة	ورقة / صفحة [من مخطوط]	Leaf of a ms.	–	*folio*	*fol.*
ماخذ محولہ بالا [صفحة نمبر کا ذکر نہ کرنے کی صورت میں : ماخذ محولہ بالا کا وهی صفحه جس کا پہلے ذکر ہوا ہے]	نفس المصدر / الصفحة	in the same work / page	–	*ibidem*	*Ibid*
وهی مصنف سابق جس کا ابھی یا پچھلے حاشیہ میں ذکر ہوا	نفس المؤلف السابق	the same / previous author	–	*idem*	*id.*

نیچے / آگے دیکھیے	تحت/ فيما يلى/ أدناه	below / later on	–		infra
محولہ بالا صفحہ یا جگہ	نفس الصفحة / المكان	in the place	–	loco citato	loc cit
	المشار اليه سابقا	already cited			
مخطوطہ	مخطوط	manuscript		–	ms / MS (pl.: mss / MSS)
حاشیہ	هامش	note (foot-note)	–	–	n.
تاریخ غیر مذکور	ب. ت. (بدون تاريخ)	no date	–	–	n.d.
جگہ غیر مذکور	ب. م (بدون مكان)	no place	–	–	n.p.
ماخذ محولہ بالا	المصدر السابق	the work already cited	–	opere citato	op.cit.
یہاں وہاں / ادھر ادھر [یعنی محولہ ماخذ میں متعدد جگہوں پر]	هنا وهناك [أى فى أمكنة متعددة من نفس المصدر]	Here and there	–	–	passim
اور اگلا صفحہ	والصفحة التالية	and the page following	–	sequens	seq.
اور اگلے صفحات	والصفحات التالية	and the pages following	–	sequentia	seqq

sic	–	..	thus	كذا/هكذا [أي هكذا وجدته فى النص وهو ايس من عندى]	ايسا هى / اسى طرح [يعنى محوله مصدر ميں ايسا هى لكها هے]
supra.	–	–	above / previously	فوق / فيما سبق / أعلاه	اوپر / گذر چكا هے
tr.	–	translation / tanslator	–	مترجم / ترجمة	" مترجم / ترجمه
v. / vide	–	see	–	أنظر	ديكهيے

(١) إن اختصارات كا ذكر فهرست اختصارات ميں نهيں كيا جاتا هے- يه متفق عليه هيں اور هر محقق كو انهيں جاننا چاهيے-

ضمیمہ ۳

عربی، فارسی اور اُردو

حروف کو لاتینی رسم الخط میں لکھنے کی اسکیم

SCHEME OF TRANSLITERATION

' ء (همزه) (لفظ کے بیچ یا آخر میں)	ر r	کھ kh
a أ، (الف)	ڑ ṟ	ك k
ب b	ز z	گ g
ت t	ژ zh	گھ gh
ٹ ṯ	س s	ل l
پ p	ش sh	م m
ث th	ص ṣ	ن n
ج (۱) j	ض ḍ	ں n (نون غنّة)
ح ḥ	ط ṭ	ھ / ة h
خ kh	ظ ẓ	و w
چ (۱) ch	ع (عین) c	و o (خفیف اردو واو)
د d	غ gh	ی y
ڈ ḏ	ف f	
ذ dh	ق (۱) q	

a ____ أ   iy ____ یَ   u ____ وُ   i ____ یِ

ay ____ ی   uw ____ وَّ   w ____ وَ   ww ____ وَّ

(۱) انسائیکلوپیڈیا آف اسلام *(EI2)* میں حرف "ج" کے لیے dj ، حرف "چ" کے لیے Č ، اور حرف "ق" کے لیے Ḳ [نیچے ایک نقطے کے ساتھ] لکھا جاتا ہے۔